ماہنامہ

قلندرِ شعور

ستمبر ۲۰۱۷ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

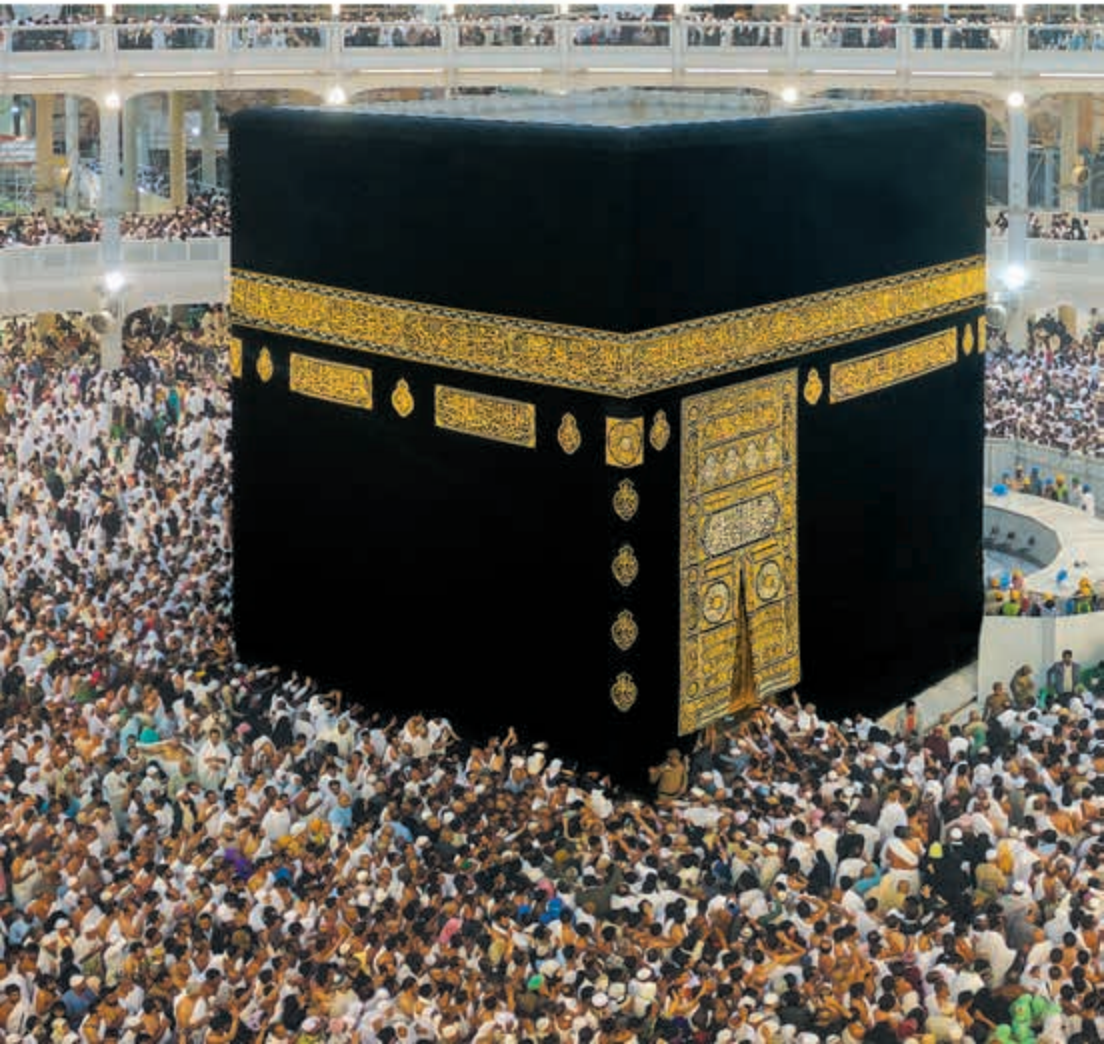

جلد 5 شمارہ 8 | ستمبر 2017ء | ذوالحج ــ محرم 1438-1439ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 60 روپے...... سالانہ ہدیہ 820 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۷ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ____ شہزاد مجددی 10

نعت رسول مقبول ﷺ ____ اقبال عظیم 11

رباعیات ____ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12

آج کی بات ____ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ____ ادارہ 20

نامے میرے نام ____ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 23

خاموش لہریں ____ صائمہ اکمل 27

رنگوں سے علاج ____ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 33

مسکرائیے اور ــــ؟ ____ (M.D—Alternative Medicines) محمد سعید انور 41

تحقیقی مقالہ کی تلخیص | پچاس ہزار میگا واٹ بجلی ____ (M.Phil.) محمد اعظم باجوہ 45

خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے ____ ندا حامد 51

کمہار اور مٹی ____ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 57

کارخانۂ قدرت میں ــــ اٹھائیس گرام شہد ____ عابد محمود 61

جون 2017ء کے سرورق کی تشریح ____ قارئین 66

فنا اور بقا ____ (MBA) سید اسد علی 69

تو جسم کے ساتھ ــــ میں جان کے ساتھ آؤں گا ____ (M.A-Mass Comm.) قرۃ العین واسطی 75

عید قربان ____ (M.A-Mass Comm.) مشعل 81

تاریخ اور کردار ____ گلِ نسرین 85

ذوالقرنین ماخوذ 91

مرشد کی باتیں عائشہ خان (M.A-Mass Comm.) 95

اقتباسات ادارہ 99

ٹائم اور اسپیس کی نفی رفعت انیس (M.Ed.) 101

خوشی کا راز صہیب رانا (یوکے) 109

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں روشن نظیر (M.A-Udru & Islamic Studies) 113

ناریل کا سفر کوکب شاہ عالم 119

پرتیاہار محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics) 121

باولی کھچڑی قارئین 127

اللہ میاں کے باغ کے پھول

بادشاہ کون ہے ؟ شازیہ خان 128

اللہ دیکھ رہا ہے سارہ خان (M.A-Mass Comm.) 132

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر عظیمی خواجہ شمس الدین 135

The Autobiography of the Devil (Iblees) Nasser Abbas (UK) 148

The Death and Birth of Oceans Dr. Naeem Zafar (UAE) 152

Prophet Moses (PBUH) Extracted 157

The Eye Dr. Ali Sadiq (USA) 162

Gold Coins Bibi Anuradha (UAE) 165

Hazrat Imam Hussain (PBUH) Muhammad Zeeshan 169

Message of the Day K. S. Azeemi 172

شہزاد مجددی

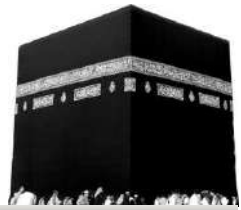

حمد باری تعالیٰ

ذات قدیم صاحب ہر فخر و ناز ہے
ستّار ہے، صمد ہے، وہی بے نیاز ہے

رہتا ہے مہربان دو عالم پہ ہر گھڑی
میرا خدا کریم ہے، بندہ نواز ہے

نغمہ سرائے حمد ہے بارش کی بوند بوند
دست صبا میں اس کی عقیدت کا ساز ہے

جلوہ گری اسی کی ہے نرگس کی آنکھ میں
اس کے کرم سے *کاکل سنبل دراز ہے

وہ کھولتا ہے گنبدِ بے در میں کھڑکیاں
دنیا میں اس کا لطف بلا امتیاز ہے

کرتا ہے روز ایک نئی شان سے ظہور
یہ اختلاف صبح و *مسا اس کا راز ہے

معبود ہے مجید و معین و مغیث بھی
مشکل کشا وہی ہے، وہی کار ساز ہے

ایاک نعبد کہیں، ایاک نستعین
معراج بندگی کا ذریعہ نماز ہے

لرزاں ہیں ارض و کوہ و فلک اس کے سامنے
اللہ کا کلام بڑا جاں گداز ہے

انوار اسم ذات کی تاثیر کے طفیل
دل میں ہے کیف، روح میں اک *اہتزاز ہے

جب موت ہے وسیلۂ دیدارِ ذاتِ حق
پھر آدمی کو موت سے کیوں احتراز ہے

رہتے سدا ہیں اس کے خزانوں کے منہ کھلے
ہر لحظہ اس غنی کا درِ جود *باز ہے

پاتا ہے ذاتِ حق سے وہ توفیق حمد کی
شہزاد اس کے فضل سے جو سرفراز ہے

*کاکل = زلف *مسا = شام *اہتزاز = سرور *باز = کھلا

نعت رسول مقبول ﷺ

کعبہ مرے دل میں ہے، مدینہ ہے نظر میں
اب کون سی رونق کی کمی ہے مرے گھر میں

اس در پہ دعاؤں کی ضرورت نہیں ہوتی
تھوڑا سا سلیقہ ہو اگر دیدۂ تر میں

اب آنکھوں کو میری کوئی بے نور نہ سمجھے
کچھ جلوے سمٹ آئے ہیں دامانِ نظر میں

ہر گام پہ آنکھوں سے ٹپک جاتے ہیں سجدے
کچھ ایسے مقام آتے ہیں طیبہ کے سفر میں

اس شہر سے سورج بھی گزرتا ہے مؤدب
کچھ ایسا تقدس ہے مدینہ کی سحر میں

کعبہ میں تو بے شک کوئی بت اب نہیں موجود
کچھ بت ابھی باقی ہیں مگر ذہن بشر میں

اس راہ کے ہادیؐ کا کہا بھی تو رہے یاد
احرام ہی کافی نہیں کعبہ کے سفر میں

مرجاؤں تو اقبالؔ مجھے خلد کے بدلے
تھوڑی سی زمیں چاہئے آقاؐ کے نگر میں

بندگی کیا ہے ــــ؟

جو تو نے بنا دیا وہ بندہ ہوں میں
اک بے پر و بال کا پرندہ ہوں میں
میرے تو نہیں لوح و قلم تیرے ہیں
کونین کا کیا آفرینندہ ہوں میں

’’میں نے جن وانس کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

(الذّٰریٰت: ۵۶)

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ اس رباعی میں اللہ تعالیٰ کے حضور فرماتے ہیں کہ میں خود کچھ بھی نہیں، میرا وجود تجھ سے ہے۔ جو تو نے بنا دیا وہ بندہ ہوں میں۔ نہ میرے بال و پر ہیں نہ ملکیت نہ اختیار۔ کون و مکان میں جو کچھ ہے اور خود کون و مکان ـــ سب لوح و قلم میں پہلے سے موجود ہے۔ تو جس طرح سے چاہتا ہے رحموں میں کیسی کیسی صورتیں بنا دیتا ہے۔ میری پیشانی پر جو زندگی کی فلم ہے، وہ میری پیدائش سے پہلے ازل میں بن گئی تھی۔ تو نے جو چاہا اور جیسا چاہا، مجھے بنا دیا اور یہی میری تقدیر ہے۔ میں بے بال و پر کا پرندہ ہوں جس کی حرکت تیرے امر کی محتاج ہے۔ پرندہ کو پرواز کے لئے پروں کی ضرورت ہے لیکن میری پرواز اے خالق کائنات، تیرے امر سے ہے۔

ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ میں کونین کا نہیں، اللہ کا بندہ ہوں۔ کونین نے مجھے نہیں بنایا۔ اللہ نے کونین کو بنایا اور اس میں مجھے بھی بنایا۔ مصور تصویر بناتا ہے اور ذہن میں عکس کو کاغذ پر منعکس کرتا ہے۔ تصویر اگرچہ مصور سے الگ نظر آتی ہے لیکن مصور سے الگ نہیں ہوتی ـــ مصور کے ذہن کا عکس اور ذہن میں موجود ہوتی ہے۔

دنیا میں ایسے بندے موجود ہیں جو شہود اور باطنی نعمت سے مالا مال ہیں لیکن وہ ان صلاحیتوں کو خود سے منسوب نہیں کرتے بلکہ انہیں یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہے، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ بندہ کی تعریف یہ ہے کہ اس کا ربط، قربانی، جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے اندر تحریک رب العالمین کے دم سے ہے جس نے اسے اور کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ بندہ کا کام صرف بندگی ہے اور بندگی یہ ہے کہ یک در گیر و محکم بگیر۔

آج کی بات

قارئین سے التماس ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سوال کر سکتے ہیں۔

جسم اور روح زندگی کے دو رخ ہیں جن پر حیات قائم ہے۔ روح، حیات اور جسم کو سمجھے بغیر آدمی خود کو نہیں پہچانتا۔ جسم کی مثال عمارت کی ہے جس میں متعدد منزلیں اور گھر ہیں ــــ ہر گھر میں کوئی رہتا ہے۔ ہم مکان بناتے ہیں، نوعیت کے لحاظ سے مکان کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جسم بھی مکان کا نقشہ ہے جس میں منزلیں اور خانے (کمرے) ہیں۔ کسی خانہ میں ناک تو کسی میں آنکھ ہے، کہیں دل تو کہیں دماغ کی حکم رانی ہے۔ ایک خانہ معدہ کا ہے جب کہ گردہ اور چھوٹی بڑی آنتوں کے خانے الگ ہیں۔ آنکھ کی جگہ ناک نہیں اور دماغ کی جگہ دل نہیں ہوتا۔ اگر پیر، ہاتھ اور ہاتھ پیر کی جگہ لگ جائیں تو ساخت تبدیل ہو جائے گی۔ اسی طرح مکان میں کھڑکیاں اندر اور کمرے باہر نہیں ہوتے، ہر شے ترتیب کے لحاظ سے تقسیم اور تعمیر کی جاتی ہے۔

ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''جب اسکولوں میں ڈرائنگ سکھائی جاتی ہے تو ایک کاغذ جس کو گراف کہتے ہیں ڈرائنگ کی اصل میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کاغذ میں گراف یعنی چھوٹے چھوٹے چوکور خانے ہوتے ہیں۔ ان چوکور خانوں کو بنیاد قرار دے کر ڈرائنگ سکھانے والے استاد چیزوں، جانوروں اور آدمیوں کی تصویریں بنانا سکھاتے ہیں۔ استاد یہ بتاتے ہیں کہ چھوٹے خانوں کی اتنی تعداد سے آدمی کا سر، اتنی تعداد سے ناک، اتنی تعداد سے منہ اور اتنی تعداد سے گردن بنتی ہے۔ خانوں کی ناپ سے وہ مختلف اعضا کی ساخت کا تناسب قائم کرتے ہیں جس سے تصویر بنانے میں آسانی ہوتی ہے۔ گویا یہ گراف تصویروں کی اصل ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس گراف کو ترتیب دینے سے تصویریں بن جاتی ہیں۔ یہ لکیریں (نسمہ) تمام مادی اجسام کی ساخت میں اصل کا کام دیتی ہیں۔ ان لکیروں کی ضرب تقسیم، موالید ثلاثہ کے خدوخال ہیں۔''

جسم ہو یا مکان ــــ تعمیر نقشہ کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ کمروں کے لئے دیواریں اور چھت پردہ ہے تو جسم میں اعضا کھال کے غلاف میں بند ہیں۔ بند غلاف کو جسم کہا جاتا ہے جس کی حیثیت خول کی ہے۔ خول کے اندر بیک وقت متعدد زندگیاں دور کر رہی ہیں۔ سب کا مقصد یک جان ہو کر خول کو حرکت میں رکھنا ہے۔ یک جان ہونا ــــ مقصد یا توجہ کا ایک ہونا ہے۔ سر، کان، ہونٹ، لبلبہ، پیر ــــ ہر عضو اپنی جگہ جسم ہے اور جسم ــــ لباس ہے۔ لباس زندگی نہیں، لباس کے اندر زندگی ہے جو اعضا کو متحرک رکھتی ہے۔ جس کو ہم اپنا آپ سمجھتے ہیں وہ اعضا کا مجموعہ ہے۔ اجتماعیت ختم ہو جائے تو جسم تحلیل ہو جاتا ہے۔

مثال: حرکت قلب بند ہونے سے خون کی گردش رک جاتی ہے۔ قانون ہے کہ تعطل سے شے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے (ختم نہیں ہوتی)۔ حرکت قلب بند ہونے سے حرکت میں تعطل نہیں آیا ــــ قلب کی حرکت بند ہوئی ہے۔ قلب مٹی میں تحلیل ہو جاتا ہے، حرکت باقی رہتی ہے۔ جگر کام کرنا چھوڑ دے تو نظام میں تعطل موت ہے۔ قلب، جگر، دماغ ــــ سب لباس کے حصے (parts) ہیں۔ موت ــــ زندگی کا ختم ہونا نہیں ــــ لباس کا تحلیل ہونا ہے۔ یعنی جسم خود کچھ نہیں، مرکب ہے بہت ساری چیزوں کا۔ جب وہ مرکب ہے تو اس کی اپنی حیثیت کیا ہوئی؟

استاد نے مکتب میں داخل ہونے والے شاگرد سے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟

شاگرد نے بتایا کہ ماں باپ مجھے صوفی اور لوگ زید کہتے ہیں لیکن زید علیحدہ وجود نہیں۔

استاد نے کہا، نام کے اعتبار سے اگر زید الگ نہیں تو پھر وہ کون ہے جو نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کر کے معرفت حاصل کرتا ہے؟ اسی طرح وہ کون ہے جو تباہی کا سبب بنتا ہے۔ اگر زید کو اصل تسلیم کر لیا جائے تو اچھائی اور برائی، سزا و جزا کی حقیقت کیا ہے ــــ؟

استاد نے انسانی جسم کے مختلف حصوں جیسے ہاتھ، پیر، آنکھیں، دل ــــ پھر حواس اور ذہن وغیرہ کا نام لے کر پوچھا کہ کیا ان میں سے کوئی زید ہے؟

شاگرد نے کہا، نہیں ــــ ان میں سے کوئی زید نہیں، یہ سب مل کر زید بنتے ہیں۔

استاد نے کہا، پھر ہمارے خیال میں زید کی کوئی حقیقت نہیں، یہ محض لفظ ہے جس کے معنی نہیں۔ زید فریب اور مایا ہے۔

بات شاگرد کی سمجھ میں نہیں آئی۔ استاد نے پھر سمجھایا۔ اپنے شہر سے یہاں تک کا سفر کس طرح کیا؟ شاگرد نے بتایا کہ گاڑی کے ذریعے۔ استاد نے پوچھا، کیا صرف پہیے کو گاڑی کہا جاسکتا ہے ــــ؟ انجن، سیٹ، اسٹیرنگ یا چھت گاڑی ہے ــــ؟ شاگرد بولا ــــ نہیں!

اگر یہ سب چیزیں گاڑی میں نہ ہوں تو کیا محض دھات کا خول گاڑی ہے؟

شاگرد کا جواب نفی میں تھا۔ استاد نے پوچھا، اگر ان چیزوں کو ذہن سے خارج کر دیا جائے تو کیا کوئی ایسی چیز رہ جاتی ہے جسے ہم گاڑی کہہ سکتے ہیں؟ شاگرد نے کہا، گاڑی موجود ہے اور اسی پر بیٹھ کر آیا ہوں۔ چھت، پہیے، انجن سب چیزوں سے مل کر گاڑی بنتی ہے۔

استاد نے کہا، یہی معاملہ آدمی کا ہے۔ اعضا اور حواس مل کر جسم بنتا ہے اور اسی بنیاد پر لوگ تمہیں زید کے نام سے پکارتے ہیں، لیکن زید کیا ہے ــــ یہ ہم نہیں جانتے۔

آدمی شے کو دیکھتا ہے تو پہلا تاثر ظاہری خدوخال کا بنتا ہے جب کہ خدوخال غلاف ہے۔ ہم مٹی کے غلاف کو آدمی سمجھتے ہیں، آگے نہیں دیکھتے۔ پھل کو دیکھ کر ذہن، رنگ اور مٹھاس میں گم ہو جاتا ہے، بیج کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جو پھل کی بنیاد ہے۔ مخلوق پانی سے پیدا ہوئی ہے لیکن موجودات کو دیکھ کر ذہن میں پانی کا خیال نہیں آتا۔ ہیرا کاربن سے بنا ہے لیکن ہیرے کی چمک کاربن کی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ حواس محدود ہونے سے شے حصوں میں نظر آتی ہے، جس حصہ پر نظر پڑتی ہے آدمی اسے شے سمجھتا ہے۔

جسم میں ہر عضو کا کام الگ ہے۔ آنکھ کیمرے کی طرز پر دیکھتی ہے۔ کیمرے کا لینس شے کی شبیہ حساس پلیٹ یا فلم پر بناتا ہے جب کہ آنکھ کا لینس شبیہ، پردۂ چشم (retina) پر بناتا ہے۔ آنکھ میں داخل ہونے والی روشنی کی مقدار پتلی کے ذریعے کنٹرول ہوتی ہے، یہی کام کیمرے

میں شٹر کا ہے۔ آنکھ میں جھلی (آئرس) پتلی کے سائز کو گھٹاتی یا بڑھاتی ہے۔ تیز روشنی میں پتلی سکڑتی ہے اور مدھم روشنی میں پھیلتی ہے۔ کیمرے میں شٹر اسپیڈ سے اسی طرز پر روشنی کی مقدار کنٹرول کی جاتی ہے۔ تصویر منعکس کرنے کے لئے کیمرے کے لینس کو فوکس کیا جاتا ہے۔ دور کی اشیا دیکھنے کے لئے لینس کو zoom in اور قریب کی اشیا کے لئے zoom out کرتے ہیں۔ آنکھ بھی جب اسی طرح قریب یا دور کی شے دیکھتی ہے تو پٹھوں کی مدد سے لینس کی موٹائی بالترتیب بڑھتی یا کم ہو جاتی ہے، طول ماسکہ (فوکل لینتھ) کی تبدیلی سے عکس پردۂ چشم پر نمایاں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک روشنی آنکھ یا کیمرے میں داخل نہ ہو، دیکھنے کا عمل شروع نہیں ہوتا، پھر روشنی کیا ہے ــــ؟

دانش ور کہتے ہیں کہ جسم کو مرکزی اعصابی نظام (central nervous system) کنٹرول کرتا ہے۔ دماغ اور حرام مغز اس نظام کے دو حصے ہیں۔ حرام مغز گردن کے قریب دماغ سے جڑی ہوئی دم نما ساخت ہے۔ دماغ سے نکلنے والے اعصاب سر، چہرہ، کان اور گردن کو جب کہ حرام مغز سے نکلنے والے اعصاب باقی بدن کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اعصاب سفید پٹھے نما رگیں ہیں جن کے ذریعے برقی رو، اطلاعات تقسیم اور وصول کرتی ہے۔ کسی عضو سے متعلقہ عصب (nerve) کٹ جائے تو عضو سکڑ جاتا ہے، چاہے خون کی سپلائی اور دیگر چیزیں ملتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تک برقی رو دماغ میں داخل نہ ہو، دماغ مفلوج ہے۔ پھر برقی رو کیا ہے ــــ؟

کہا جاتا ہے کہ دل پمپ ہے جو موت آنے تک رکے بغیر دھڑکتا ہے۔ پھیلنا اور سکڑنا زندگی کے مراحل ہیں۔ خون وریدوں (veins) کے ذریعے دل میں پہنچتا ہے۔ اس میں بڑی مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور فاضل مادے پائے جاتے ہیں۔ خون پھیپھڑوں میں جاتا ہے تو آکسیجن شامل ہو کر کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوتی ہے، خون

فقیر کی ڈاک

اسرار و رموز سے واقفیت کی کنہ غور و فکر ہے۔ غور و فکر سے ذہن میں سوالات ابھرتے ہیں۔ سوال — جواب تک رسائی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' روحانی علوم کی آبیاری کی ایک کڑی ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے علمی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ قارئین نے اس سلسلہ کو سراہا ہے۔ ماضی کے اوراق سے ایسا ہی ایک خط پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

گرامی قدر عظیمی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کسی بھی روحانی سلسلہ میں صاحب سلسلہ کے ابتدائی مریدین پر عنایات و نوازشات کی بارش کچھ زیادہ ہوتی ہے اور مرشد سے علم حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس زیادہ وقت ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دس پندرہ سال بعد بیعت ہونے والوں کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی اور نہ مرشد کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے۔ اگر ایسے مریدین کی باطنی نگاہ بیدار ہونے سے قبل مرشد عالم بالا تشریف لے جائیں تو پھر ان مریدین کا مستقبل کیا ہوگا۔ کیا آخرت کی زندگی میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی مرشد کریم ان کی تربیت کرتے رہتے ہیں یا مرشد انہیں کسی کے سپرد کر دیتے ہیں یا پھر ایسے مرید بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں۔ مزید برآں دنیاوی زندگی میں جب مرید کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ براہ راست اپنے مرشد سے رجوع کرتا ہے۔ مرشد کے وصال کے بعد مرید کس سے رجوع کرے گا۔

شبیر احمد۔ ساہیوال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابتدائی دور میں چوں کہ شاگرد کم ہوتے ہیں اس لئے استاد کی توجہ ان پر زیادہ ہوتی ہے۔ ہر دور میں ایسے لوگوں کی تعداد موجود رہتی ہے جو مرشد یا استاد کے قریب رہتے ہیں۔ اس قربت میں شاگردوں کے ذوق و شوق کا زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاگرد یا مرید استاد کے پاس برسوں قیام کرتا ہے اور اس کی زندگی میں تبدیلی تو آتی ہے، لیکن کوئی ایسی انقلابی تبدیلی نہیں آتی جس کی بنیاد پر وہ استاد کی طرح دوسرے لوگوں کو علوم منتقل کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعد کے آنے والے لوگ جلدی تعلیم و تربیت دینے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ دنیاوی علم و

ہنر ہوں یا روحانی اقدار کی آبیاری کی جائے، دونوں میں ذوق وشوق کا عمل دخل کارفرما ہے۔ جتنا ذوق وشوق شاگرد کے اندر ہوتا ہے اسی مناسبت سے وہ استاد کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس میں ابتدائی، درمیانی یا عمر کے آخری دور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح کا ایک سوال میں نے اپنے مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاؒ سے کیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ آپ کی معلومات میں اضافہ کے لئے پیش خدمت ہے — ''ایک پیر صاحب کے دو مرید تھے۔ دونوں اتنے قریب تھے کہ گھر میں آنا جانا، ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ان کی اپنی اولاد کی طرح تھا۔ ان میں سے ایک نے چند سال کے بعد یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے میرا روحانی حصہ دیا جائے۔ پیر صاحب اسے تسلی دیتے رہے لیکن جب بہت زیادہ اصرار ہوا تو انہوں نے توجہ کی اور اسے رخصت کر دیا۔ دوسرا مرید بدستور قربت میں رہا۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مرشد صاحب اِس دنیا سے اُس دنیا میں تشریف لے گئے۔ مرید نے سوچا — اب میری حیثیت بڑے بھائی کی ہے لہٰذا مجھے اپنے بہن بھائیوں کی پرورش میں اپنی روحانی ماں کا ساتھ دینا چاہئے۔ سالوں گزر گئے۔ پیر و مرشد کے بیٹے اور بیٹیوں کی شادی سے فارغ ہو کر انہوں نے اماں سے درخواست کی — ماں جی! مجھے اجازت دیں۔ اجازت لے کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور سلام دعا کر کے رخصت ہو گئے۔ دوبارہ روضہ کے اندر گئے اور واپس آ گئے۔ تیسری بار یہ سوچ کر کہ اب پتہ نہیں کب آنا ہو گا یا نہیں آنا ہو گا، اپنے مرشد کی قبر سے لپٹ کر رونے لگے۔ روتے روتے اِس عالم سے اُس عالم میں منتقل ہو گئے۔ دیکھا کہ مرشد مرید کو سینہ سے لگا کر پیشانی اور آنکھوں کو بوسہ دے رہے ہیں۔ جب اُس عالم سے اِس عالم میں آئے تو پیر و مرشد کے رنگ میں رنگین تھے۔

شاداں و فرحاں مزار سے باہر آئے اور اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں پیر بھائی کا شہر پڑتا تھا۔ دل چاہا کہ ملاقات کر کے جاؤں۔ شہر میں پہنچے تو ہنگامہ برپا دیکھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک بزرگ اناپ شناپ بولتے ہیں جس کی وجہ سے شرعی عدالت نے انہیں سنگ ساری کی سزا دے دی ہے۔ یہ اناپ شناپ بولنے والے بزرگ ان کے پیر بھائی تھے۔ علیک سلیک ہوئی اور کہا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ دراصل ان رازوں کا اظہار ہے جن کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جب وہ کسی طرح قائل نہیں ہوئے، یہ صاحب عدالت شرعیہ کے جج کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اگر آپ سزا میں ایک ہفتہ کی تاخیر کر دیں تو ایک بندہ کی جان بچ جائے گی۔ دوبارہ اپنے پیر بھائی کے پاس گئے اور آہستہ آہستہ ان کی بیدار روحانی صلاحیت پر پردہ آ گیا پھر ان کو حاکم کے سامنے پیش کر دیا۔ حاکم کے دربار میں جب اس مرید کو الزامات کی فہرست سنائی گئی جن کی بنا پر سنگ ساری کی سزا دی گئی تھی تو مرید نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ نتیجہ میں سزا معاف ہو گئی اور پیر بھائی اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔''

یہ بات کہ مرشد کے انتقال کے بعد فیض جاری رہتا ہے، اس کی تصدیق سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''جب تم قبرستان جاؤ تو 'السلام علیکم یا اہل القبور' کہو۔ قبرستان میں رہنے والے تمہارے سلام سنتے ہیں اور تمہیں جواب بھی دیتے ہیں، جو تم نہیں سنتے۔''

اس فرمان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں روح سنتی بھی ہے اور بولتی بھی ہے۔ جب عام آدمی کی روح بولتی اور سنتی ہے تو روحانی بزرگوں کا بولنا اور سننا، آنے والوں کے لئے دعا کرنا، ان کو فیض پہنچانا ثابت ہو جاتا ہے۔ عام روح جب سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہتی ہے تو دراصل وہ قبرستان آنے والے بندہ کے لئے دعائے خیر کرتی ہے اور دعائے خیر کو یقیناً کسی نہ کسی درجہ میں فیض کا مقام حاصل ہے۔ لہٰذا مرشد کے وصال کے بعد مرید کے ذوق وشوق کے مطابق راہ نمائی ملتی ہے اور فیض بھی جاری رہتا ہے۔ مرشد کا مقام یہ ہے، اگر اللہ کا دوست ہے تو اللہ اس کی درخواست کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''میں اپنے بندہ کو دوست رکھتا ہوں اور میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

دعا گو ــــ خواجہ شمس الدین عظیمی

مارچ 1998ء

جوہری نے موت سے پہلے فرزند کو وصیت کی کہ میں تیرے واسطے ایک صندوق چھوڑتا ہوں اس میں ایک جوہر بیش بہا اور ایک پتھر ہے، کسی جوہر شناس کو دکھا لینا وہ بتلا دے گا۔ باپ کا انتقال ہوا تو بیٹا شناخت کے لئے کسی جوہری کے پاس جوہر اور پتھر لے گیا۔ جوہری بولا، پانچ برس تک میری ملازمت اختیار کر، تب بتلاؤں گا۔ وہ راضی ہو گیا اور پانچ سال تک جوہری کی دکان پر کام کیا۔ اس عرصہ میں اقسام وانواع کے جواہرات نظر سے گزرے یہاں تک کہ اسے جواہرات کی شناخت پر ملکہ حاصل ہو گیا۔ بعد مدت سوال کیا کہ صاحب اب وعدہ پورا کیجئے۔ جوہری نے کہا، اچھا اپنے جواہر لا۔ جب وہ لے کر آیا تو پوچھا اب تو خود بتلا کہ ان میں جوہر کون سا ہے۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ جوہری نے کہا، میری غرض اس تامل سے یہی تھی کہ تو خود عارفِ جوہر ہو جائے۔ اگر میں اول روز بتلا دیتا تو نہیں معلوم تجھ کو یقین آتا یا نہیں اور تو کس قیمت پر ان کو فروخت کر دیتا۔ اب جب تجھ کو عرفان حاصل ہو گیا اور تو خود واقف وشناسا ہو گیا ہے، تجھے اختیار ہے تو جو چاہے سو کر، اب دھوکا نہیں کھا سکتا۔ (کتاب: تذکرہ غوثیہ)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کیے جارہے ہیں۔

پروفیسر محمد طاہر (چینوٹ): جولائی 2017ء ''آج کی بات'' میں صفحہ نمبر 18 پر نوجوان کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے ماہر فن سے علم سکھانے کی درخواست کی اور پوچھا کہ کتنے سال لگیں گے۔ انہوں نے فرمایا دس سال۔ نوجوان نے کہا کہ وہ بہت محنت کرے گا اب کتنے سال لگیں گے، استاد نے جواب دیا— بیس سال!

اس بات کو بار بار سیاق وسباق کے ساتھ اور سیاق وسباق سے ہٹ کر بھی پڑھا مگر بات سمجھ میں نہیں آئی۔ براہ کرم بات سمجھا دیجئے، شکریہ۔

★ ذی احترام استاد نے نوجوان کی صلاحیت کا اس طرح اندازہ کیا کہ جب نوجوان نے ''میں یہ کروں گا میں وہ کروں گا'' کی گردان پڑھی تو اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ علم سیکھنے کے بجائے اس کا ذہن ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے۔ یعنی اس کے اندر وقت کی پابندی اور استاد کے ذہن کو پڑھ کر اس پر عمل کرنا نہیں ہے۔

ثمرہ وقار (کراچی): عظیمی صاحب! دنیا ہمارے اندر ہے تو باہر جو اتنی بڑی اسپیس ہے، وہ کیا ہے؟ ہم کہاں چل رہے ہیں؟ اسپیس مفروضہ ہے تو پھر میں اس پر چلتی ہوئی گرتی کیوں نہیں ہوں؟

★ جب ہم سو جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سیر وتفریح کے لئے دوستوں کے ساتھ خوش ہیں، کھانا کھا رہے ہیں اور اگر ذہن میں اشتغال ہو تو بیداری کی طرح سونے کی حالت میں عمل کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے۔ جب ہم خواب کی دنیا میں ہوتے ہیں اور خلا میں اڑتے ہیں تو ہم گرتے کیوں نہیں؟ خواب میں کوئی حادثہ دیکھ لیں یا کسی کو زہریلا کیڑا کاٹ لے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے، جسم پسینہ میں شرابور ہو جاتا ہے۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ جب آدمی سو گیا، اس کا جسم بھی ایک طرف پڑا ہوا ہے پھر یہ ڈر، خوف، خوشی— یہ سب اگر کچھ نہیں ہیں تو خواب دیکھنے والا متاثر کیوں ہوتا ہے؟

عبدالباقی (اسلام آباد): سرورق کی تشریح کا سلسلہ میں نے اب تک کسی رسالہ میں نہیں دیکھا نہ اس طرح کے سرورق دیکھے ہیں۔ پہلا شمارہ فروری 2017ء کا تھا جو سرورق سے متاثر ہو کر خریدا۔ بینکنگ کے شعبہ سے وابستہ

ہوں، مطالعہ کا شوق ہے اور روحانی ادب کا ذوق رکھتا ہوں۔ یہ باطنی سائنس پر مشتمل تحقیقی، ادبی اور معلوماتی رسالہ ہے۔ طرزِ تحریر بھی منفرد ہے بالخصوص عظیمی صاحب کی تحریر زندگی کا نصاب ہے۔ میرے خیال میں اس رسالہ کو تعلیمی نظام کا حصہ ہونا چاہئے۔

یاسمین گل (فیصل آباد): ''مرشد کی باتیں'' میں مضمون نگار عمدگی سے ہمارے ذہن میں سوالوں کے جواب دے رہی ہیں۔ اندازِ تحریر سادہ ہے اس لئے پڑھتے ہوئے ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ آنکھ کی پتلی نہ ٹھہرے تو ذہن یک سو نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ہے۔ ہم کوئی دل چسپ پروگرام دیکھتے ہیں، کتاب پڑھتے ہیں یا غیر معمولی نوعیت کا واقعہ سنتے ہیں تو نسبتاً پلکیں کم جھپکتی ہیں۔ ڈاکٹر عمیر ریاض صاحب کا مضمون ''ہرا بھرا عظیمی گلشن'' بابا جی کے خطاب کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ مضمون نگار نے اختصار سے کام لیا ورنہ لکھنے کی گنجائش کافی تھی۔ بہر حال سب کے جذبات کی عکاسی کی ہے اور آخری پیراگراف نے تو اداس کر دیا۔ دل نے تمنا کی—

؎ پھر نظر میں پھول مہکے، دل میں پھر شمعیں جلیں   پھر تصور نے لیا اس بزم میں جانے کا نام

احمد نثار (لاہور): رسالہ میں کہانیوں کی کمی محسوس ہوتی تھی جواب پوری ہوگئی ہے۔ عابد محمود صاحب کا ''کارخانۂ قدرت میں'' کیا خوب اور ذہن کو جھنجھوڑنے والی تحریر ہے۔ پڑھ کر میں خود کو اس بے نام جزیرہ میں چلتا پھرتا اور یہ سب اپنے سامنے ہوتا دیکھتا ہوں۔ لگتا ہے کہ وہ آدمی میں ہوں۔ اس کے علاوہ ''پرتیاہار'' ذہن میں معمہ بن گئی ہے۔ ہر قسط پڑھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ اب کیا ہوگا، اب اور کیا پیش آئے گا۔

جویریہ (کراچی): روشن نظیر صاحبہ کی تحریر ''سکون وہاں ہے جہاں تغیر نہیں'' بہت اچھی لگی۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ رسالہ کے معیار کو برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے، ''ماہنامہ قلندر شعور'' نے اسے خوب صورتی سے نبھانے کے ساتھ معیار کو ہر ماہ بڑھایا ہے۔

الوینہ شریف خان (کراچی): جولائی کے سرورق پر بابا بلھے شاہؒ کا کلام تفکر طلب ہے۔ مضامین میں تحقیق اور گہرائی بہت ہے۔ ہر ماہ نئے نام اور ان کی تحریریں پڑھ کر خوشی ہوتی ہے کہ لکھنے والوں میں اضافہ ہورہا ہے۔ مضمون ''ہیپاٹائٹس'' معلوماتی ہے، اس قسم کے مضامین جاری رکھے جائیں۔ اس کے علاوہ ''سالن بھی باتیں کرتا ہے'' پڑھ کر مزہ آیا۔ اگر کسی چیز پر غور کریں تو اس کی خصوصیات ہم پر واضح ہوتی ہیں، یہ دراصل اس چیز کا ہم سے باتیں کرنا ہے یعنی ہر شے باتیں کرتی ہے۔ پوری ٹیم کو میری طرف سے سلام و دعا۔

جون 2017ء کے ''آج کی بات'' پر موصول ہونے والے تفکر میں سے چند یہ ہیں:

سدرہ علی (کراچی): پہلی سطر ''روشنی کے لئے روشنی اور اندھیرا دیکھنے کے لئے اندھیرا ہے۔'' پر تفکر سے ذہن میں

سوالات آئے کہ جب ہم اندھیرے میں داخل ہو کر اندھیرے کو دیکھتے ہیں تو اندھیرے سے واقف کیوں نہیں ہوتے۔ یہ کیسی بات ہے کہ ہم ایک شے میں داخل ہو رہے ہیں اور اسے دیکھ نہیں رہے۔ غور کرنے سے ذہن میں آیا کہ میرے سوالات کا جواب پابندی سے مراقبہ میں ہے۔ ہم آنکھ بند کرتے ہیں تو اندھیرا ہوتا ہے لیکن ایک وقت کے بعد اندھیرا نہیں رہتا۔ مرشد کہتے ہیں کہ مراقبہ کرو تو اس کا مطلب ہے کہ ہر سوال کا جواب اس میں ہے۔ ہدایت کے مطابق یک سو ہونے والی عبارت کو تین مرتبہ پڑھا اور یہ سمجھا کہ جس کو ہم اندھیرا کہتے ہیں وہ دراصل محدود ذہن ہے۔ حقیقت میں اندھیرا — روشنی ہے۔ مضمون کا ہر نکتہ لاجواب ہے۔

حنا گل (میانوالی): آج کی بات پانچ مرتبہ پڑھا، اس کے بعد ہم عظیمی بہنوں نے تفکر کیا۔ نکات پیش خدمت ہیں۔ ۱۔ مضمون میں بیان کئے گئے نکات اور سورۃ العصر میں گہرا ربط ہے۔ ۲۔ احسن تقویم کے حواس سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسفل سافلین سے نکلا جائے ورنہ زندگی خسارہ ہے۔ ۳۔ جو لوگ اس بات کو جان لیتے ہیں کہ ہمیں اسفل سافلین سے نکل کر اللہ کی قربت حاصل کرنی ہے وہ ہر لمحہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ جو شے اللہ کی راہ میں رکاوٹ ہے اسے چھوڑ دینے سے حواس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

جنید (مردان): جون کے ''آج کی بات'' میں ترک کے وسیع مفہوم سے متعارف کروایا گیا ہے اور اس کے لئے ڈاکومینٹری دیکھنے کی مثال نے سوچ کے کئی زاویے کھول دیئے۔ تحریر مشکل ہے لیکن میں نے وقت لگا کر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کام کرتے ہوئے اگر ذہن میں کچھ اور ہو تو یہ کام کا ترک اور ذہن میں موجود شے یا نیت کا اثبات ہے۔ ڈیڈ باڈی اور ذرّہ والی بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔

ثمن دلشاد (حافظ آباد): ''آج کی بات'' پانچ مرتبہ پڑھا۔ ہر بار تفکر سے نئی بات سمجھ میں آئی۔ مجموعی طور پر ذہن میں تاثر یہ بنا کہ کوئی شے اسی وقت نظر آتی ہے جب ہم اس میں داخل ہو جاتے ہیں یا وہ ہمارے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ مثلاً پانی اس وقت نظر آیا جب میں نے اپنی نفی کر کے پانی کو قبول کیا یعنی میں نے پانی کے دیکھنے کو دیکھا۔

عدنان نذیر (اٹک): ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے تخلیق کیا ہے۔ اندھیرے کا مطلب ہے روشنی کا صفر ہونا، نا کہ روشنی کا ختم ہونا۔ بندہ اگر گناہ کے اندھیروں میں کھو بھی جائے تو اللہ نے توبہ استغفار کو روشنی قرار دیا ہے۔ کسی بھی شے سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ ارادہ اور سوچ کے ساتھ یک سو ہو جائے۔ یک سوئی سے وہ شے اپنا آپ کھولتی ہے۔ محقق تفکر کے ذریعے ایجادات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر وہ شے جس میں تغیر ہے، اسے دھوکا اور فریب قرار دیا ہے۔ حق الیقین حاصل ہوئے بغیر دنیا میں آنے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ روزہ ایسا پروگرام ہے جس پر عمل پیرا ہو کر بندہ راحت و سکون سے واقف ہو جاتا ہے۔

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبرشپ

فری مطالعہ

پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

خاموش لہریں

احساس ہوا میرے پیچھے کوئی بڑی رقت سے کلمۂ شہادت پڑھ رہا ہے۔ اٹھ کر بیٹھی اور مڑ کر دیکھا تو نظریں کھو گئیں ــــ ہو بہو وہی نقشہ، وہی آنکھیں اور زبان پر کلمۂ شہادت!

مرشد کریم سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں بارہ سال کی تھی۔ دوسری ملاقات بائیس سال بعد 2010ء میں ہوئی۔ تب سے اللہ تعالیٰ حج اور عمرہ کی سعادت عطا فرماتا ہے، الحمدللہ۔

2010ء میں فریضۂ حج کے دوران سرور و کیف اتنا بڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے دل کی آواز سن لی اور اگلے سال پھر بلانے کا انتظام کر دیا۔ اس طرح اللہ کے کرم سے حج اور عمرہ کا سلسلہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور حضور پاکؐ کی نظر کرم سے عمرہ کے دوران رحمت للعالمین حضرت محمدؐ کی زیارت سے مشرف ہوئی۔ آپؐ کے والد حضرت عبداللہؓ اور دادا حضرت عبدالمطلبؓ کی زیارت بھی ہوئی۔

گزشتہ سال میرے شوہر نے حکومت کے ذریعے حج کے لئے درخواست جمع کرانے کا ارادہ کیا۔ کاغذی کارروائی شروع ہوئی۔ جمعہ کا دن تھا، میں نے دل لگا کر درود پاک پڑھا اور نہایت عاجزی سے سرکار دو عالمؐ کے حضور درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ! آپؐ میرا وسیلہ ہیں، حاضری کی اجازت عطا فرما دیجئے۔

حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہوجائے
سلام کے لئے حاضر غلام ہوجائے
میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہؐ کو
بلا سے پھر میری دنیا میں شام ہوجائے

درخواست دے کر پرسکون ہوگئی۔ اپنے میاں سے کہا آپ لوگ تو ابھی کاغذات جمع کر رہے ہیں جب کہ میں نے درخواست دے دی ہے۔ وہ میرے جنون سے واقف ہیں، مسکرا دیئے۔ چند روز بعد انہوں نے خوش خبری دی کہ پاسپورٹ لینے فیصل آباد جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور درود شریف کا اہتمام کر کے سیدنا حضور پاکؐ کو سلام بھیجا اور درخواست قبول کرنے پر شکریہ ادا کیا۔

درود شریف کی برکت ہے کہ تاریخ ملنے پر پتا چلا ہماری فلائٹ براہ راست مدینۃ النبیؐ کی ہے۔ تین ماہ انتظار میں گزرے۔ سوچا نہیں تھا کہ فیصل آباد سے

جہاز اڑے گا تو سیدھا در رسولؐ پر پہنچے گا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ خود کو کیسے پیش کروں گی، آداب ہیں نہ ایسے اعمال کہ سلام کے لئے غلام حاضر ہو لیکن یہ آقاؐ کی رحمت ہے کہ وہ ہم عاصیوں کی لغزشوں سے درگزر فرما کر حاضری کا موقع عطا فرماتے ہیں۔

ائیر ہوسٹس نے اعلان کیا کہ جہاز آدھے گھنٹہ میں مدینہ منورہ اترنے والا ہے۔ اعلان سن کر دل سینہ کی دیواریں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔ قلب و زبان پر درود شریف جاری تھا۔ بے ساختہ ہاتھ سینہ پر رکھ لیا کہ یہ مدینۃ النبیؐ ہے ـــ یہاں سانس لیتے ہوئے بھی ادب واحترام قائم رہے۔

زہے مقدر حضورِ حق سے سلام آیا، پیام آیا
جھکاؤ نظریں، بچھاؤ پلکیں، ادب کا اعلیٰ مقام آیا
فضا میں لبیک کی صدائیں زفرش تا عرش گونجتی ہیں
ہر ایک قربان ہو رہا ہے، زبان پہ یہ کس کا نام آیا
یہ کہنا آقاؐ بہت سے عاشق تڑپتے سے چھوڑ آیا ہوں میں
بلاوے کے منتظر ہیں لیکن نہ صبح آیا نہ شام آیا
دعا جو نکلی تھی دل سے آخر پلٹ کے مقبول ہو کے آئی
وہ جذبہ جس میں تڑپ تھی سچی وہ جذبہ آخر کو کام آیا
یہ راہ حق ہے سنبھل کے چلنا، یہاں ہے منزل قدم قدم پر
پہنچنا در پر تو کہنا آقاؐ، سلام لیجئے غلام آیا

ہچکیوں میں اضافہ ہو گیا، آنسو بارش بن گئے۔ بعض مسافروں کے جذبات میرے جیسے تھے، آنکھیں نم اور زبان پر درود شریف تھا جب کہ دیگر مسافر خاموش اور اس کیفیت سے ان جان تھے۔ اگر اس وقت وہ آنسوؤں اور ہچکیوں کی زبان سمجھ لیتے تو جان لیتے کہ ہر طرف ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ، صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وسلم'' کی گونج ہے۔ یقین ہے کہ قارئین اس کیفیت کو سمجھ لیں گے۔

جہاز کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر گہرا سانس لیا اور مدینہ کی معطر و پاک ہوا کو دل میں جذب کیا۔ محسوس ہوا کہ روشنیوں کی تیز لہریں جسم و جاں میں بس گئی ہیں اور توانائی داخل ہوئی ہے۔ گوارا نہیں کیا کہ جوتے سمیت اس زمین پر اتروں۔ جہاز کی آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر ہاتھ سے سرزمین پاک کی خاکِ شفا کو چوما۔

ایئر پورٹ پر کاغذی کارروائی میں کافی وقت لگا۔ سب سے پہلے مسجد نبویؐ پہنچے، فجر کے لئے جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ نماز میں سکون و قرار کا عالم ناقابل بیان ہے۔ فجر کے بعد درود پاک کا ورد کیا اور عاجزی و انکساری سے اللہ کے حضور درخواست کی کہ وہ میرا ربط اپنے محبوب حضرت محمدؐ سے قائم فرما دے۔ سکون و اطمینان ایسا تھا جیسے گہرے پانی میں خاموش لہریں۔

مراقبہ میں محسوس ہوا کہ نور کی لطیف لہریں یہاں موجود ہر شخص پر برس رہی ہیں اور میں بھی نور کی بارش میں بھیگ رہی ہوں۔ مراقبہ کے بعد ''ریاض الجنہ'' حاضری کے لئے گئی۔

روضہ مبارکؐ کی جالیاں نظروں کے سامنے تھیں۔ ندامت سے چہرہ نہیں اٹھا سکی، سرور کونینؐ کی خدمت

میں سر جھکا کر ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ اور مرشد کریم کے سلام کے بعد اپنا سلام عرض کیا۔ اس کے بعد وہاں ٹھہرا نہیں گیا۔ ویسے بھی غلام کا کام یہی ہے کہ سلام عرض کرے اور دبے پاؤں نکل جائے۔

مدینہ میں قیام کے دوران فجر کے بعد صحن میں بیٹھ کر مسجد نبویؐ کی فضاؤں سے لطف اندوز ہوتی، درود شریف کا ورد کرتی اور مراقبہ میں یک سو ہو کر اندر سے ربط قائم کر لیتی۔ یہاں ہر دن عید اور ہر رات — شب برات تھی۔ گداز کا یہ عالم تھا کہ آنسو آبشار بن جاتے۔

قیام کے دوران مقدس مقامات کی زیارتیں کیں۔ میزبان رسولؐ — حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر دیکھا۔ گھر کی چھت کھجور کے بڑے بڑے تنوں سے بنائی گئی ہے۔ دروازہ اب بھی چودہ سو سال پہلے کا ہے۔ یہاں وقت گزار کر محسوس ہوا کہ میں اُس دور کا حصہ ہوں۔ یک سوئی قائم ہوئی تو کانوں میں والہانہ استقبال کی آوازیں آئیں —

طلع البدر علینا ، من ثنیات الوداع،
وجب الشکر علینا، مادعیٰ للہ داع
ایھا المبعوث فینا، جئت بالامر المطاع

کسی نے آواز دی اور میں اس دور میں واپس آ گئی۔ لیکن کیفیت قائم ہونے کی وجہ سے یہ خیال موجود رہا کہ کیا وہ دور گزر گیا ہے یا موجود ہے —؟

جنگ بدر کے میدان میں پہنچے تو ہو کا عالم تھا۔ خاموشی اور سناٹا، تین طرف پہاڑ ہیں — دور مکہ اور درمیان میں بدر کا میدان — وہ کیسا عالم ہوگا جب حضور اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کے ہم راہ یہاں قیام کیا۔ بندہ دھیان کرے تو فوراً اس دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر کچھ صحابہ کرامؓ کی قبور ہیں، سکوت اور خاموشی ایسی کہ سانس لینے کی بھی آواز آتی ہے۔ دل کرتا ہے بندہ رات کے سناٹے میں گم ہو کر سرزمین پاک کی فضاؤں کا حصہ بن جائے لیکن یہاں سے واپس نہ جائے۔

مدینۃ النبیؐ میں ادب کے مناظر اور ہیں۔ مسجد نبویؐ میں صبح کا منظر بے حد سہانا اور روح پرور ہوتا ہے۔ ایسی صبحیں قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ مدینہ پہنچ کر فضائیں، سورج کی کرنیں، چاند کی ضوفشانی سب درود و سلام پڑھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہاں حاضری کا شرف عطا فرمائے، آمین۔

آٹھ روز پر لگا کر اڑ گئے۔ اس وقت ہوش آیا جس دن یہاں سے جانا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں درود شریف کا ورد کرتی رہی۔ نظروں کے سامنے گنبد خضرا تھا۔ سلام پڑھ کر حضور پاکؐ کی خدمت میں درخواست پیش کی یا رسول اللہؐ! اپنی رحمت و شفقت سے میری مدد کیجئے، نیک ارادوں میں کام یابی عطا فرمائیے، میرے دل میں ایمان داخل ہو اور میں ایمان کی روشنی سے منور ہو جاؤں۔

حج مشقت طلب اور مشکل عمل ہے لیکن اس سے زیادہ

ہمارے مکتب کے خیمے تھے۔ کچھ دیر آرام کیا۔ لیٹی ہو ئی تھی کہ احساس ہوا میرے پیچھے کو ئی بڑی رقت سے کلمۂ شہادت پڑھ رہا ہے۔ اٹھ کر بیٹھی اور مڑ کر دیکھا تو نظریں کھو گئیں۔۔۔ ہو بہو وہی نقشہ، وہی آنکھیں اور زبان پر کلمۂ شہادت!

یومِ عرفہ بابرکت، مغفرت اور بخشش کا دن ہے۔ دل گناہوں کے احساس اور گداز سے پُر تھا۔ رب کریم گناہوں اور کوتاہیوں کے باوجود توبہ کے راستے کھلے رکھتا ہے اور حاضری کا شرف عطا فرماتا ہے۔ میں کبھی لیٹ کر، کبھی بیٹھ کر، کبھی دھوپ میں کھڑے ہوکر، کبھی خاموش آنسوؤں سے اور کبھی ہچکیوں سے اللہ کو یاد کرتی۔ لبوں پر دعا تھی کہ میں خطا کار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ آپ غفور الرحیم ہیں، آپ کی رحمت بے پایاں ہے، مجھ عاجز بندی کی خطاؤں کو معاف کرکے اپنا قرب عطا کیجئے، عرفان کی دولت سے نواز یئے تا کہ میں دنیا میں روشنی پھیلا ؤں۔

مغرب کے وقت ٹرین سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں جس کو جو جگہ ملے، بیٹھ جاتا ہے۔ رات تھوڑی دیر نیند کی۔ تہجد کی نماز کے بعد مراقبہ کیا اور درود خضری کا ورد کرتی رہی۔ حج کے سفر میں مراقبہ کے لئے جب بھی آنکھیں بند کیں یک سوئی قائم ہو جاتی۔ صبح فجر کے بعد سورج نکلنے تک وقوف کیا۔ واپس منیٰ گئے جہاں رمی جمرات کیا (کنکریاں ماریں)۔

احساس ہوا کہ ہم کنکریاں باہر نہیں—اپنے اندر موجود شیطان کو مارتے ہیں، اس باغی سوچ کو جس کی وجہ سے ہم جنت سے زمین پر آئے اور اللہ سے دور ہوگئے۔ کنکریاں مارنا دراصل نفس کشی ہے، نافرمانی کی سوچ کو ختم کرنا ہے جو ہمیں اللہ سے دور کرتی ہے۔ ایک طرف عزم و حوصلہ تھا اور دوسری طرف دل گناہوں کے احساس سے ڈوب رہا تھا۔ قربانی اور طواف کے بعد منیٰ میں دو دن گزارے۔

غار حرا میں نفل پڑھ کر مراقبہ کیا تو نظر آیا کہ دل ذکر کر رہا ہے۔ کیفیت میں انہماک اتنا زیادہ تھا کہ میرے ساتھ آئے لوگ واپس جا چکے تھے اور میں وہاں بیٹھی اندر کی دنیا میں محو سفر تھی۔

آنکھ کھلی تو سرکار دو عالمؐ کی یاد میں آنکھیں پانی بن رہی تھیں۔ اس بار دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو کچھ مانگنا یاد نہیں آیا۔ بس آنسو تھے اور دل تشکر سے لبریز تھا۔ کیفیت بہت دیر قائم رہی، لطافت اور توانائی محسوس کی۔ میرے گروپ کے لوگ اکثر مجھ سے پوچھتے کہ کیسے اس کیفیت میں چلی جاتی ہو کہ تمام احساسات اور کیفیات تبدیل ہو جاتی ہیں۔

واپسی کے دن قریب آرہے تھے۔ رات کو میں حرم پاک میں رہتی، عشا کے بعد طواف شروع کرتی، نوافل پڑھتی، آب زم زم پیتی، ایک بار پھر طواف کرتی اور رات نوافل میں گزرتی۔ ایک روز طواف کے دوران

دعا مانگ رہی تھی کہ یا اللہ! اپنا بنالے۔ جب ذہن خود پر سے ہٹا تو محسوس ہوا کہ اللہ سے ربط قائم ہو گیا ہے۔ اس کیف کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے توکل، یقین، استغنا کی دولت اور نعمت عطا فرمادی۔ یقین کی دولت نعمت ہے۔ اللہ سے جو عرض کرتی ہوں، قبول فرماتا ہے۔

طوافِ وداع کی نیت اور طواف کیسے ہوا، دل جانتا ہے۔ کعبہ ـــ مرکزیت کا مقام ہے جہاں پہنچ کر سارے امتیازات ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک بات یاد رہتی ہے کہ اللہ خالق اور ہم مخلوق ہیں اور مخلوق کا کام بندگی ہے۔ بندگی یہ ہے کہ ہر حال اور ہر قال میں روحانی تشخص برقرار رہے، کسی کو ہماری ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔ جس طرح اللہ ہماری خطاؤں کو درگزر فرماتا ہے، ہمیں بھی ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ بندگی یہ ہے کہ اللہ سے ربط قائم رہے اور حتی المقدور مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔ جو مخلوق کی خدمت کرتے ہیں، وہ اللہ کے دوست بن جاتے ہیں۔ حج وعمرہ کی روداد لکھنا آسان نہیں۔ کیفیات کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ روح آزاد ہے ـــ لفظوں میں قید نہیں ہوسکتی۔ رب العالمین اللہ تعالیٰ اور محبوب رب العالمین حضرت محمدؐ کی محبت بندہ کو قربت سے آشنا کرتی ہے اور قربت کو کوئی الفاظ میں کیسے بیان کرے! دعا ہے کہ ہم سب کو اللہ اور اس کے رسول اللہؐ کی محبت اور راست طرز فکر عطا ہو، آمین۔

کعبہ پہ پڑی جب پہلی نظر،
کیا چیز ہے دنیا بھول گیا
یوں ہوش و خرد مفلوج ہوئے،
دل ذوقِ تماشا بھول گیا
پھر روح کو اِذنِ رقص ملا،
خوابیدہ جنوں بیدار ہوا
تلووں کا تقاضا یاد رہا،
نظروں کا تقاضا بھول گیا
احساس کے پردے لہرائے،
ایمان کی حرارت تیز ہوئی
سجدوں کی تڑپ اللہ اللہ،
سر اپنا سودا بھول گیا
پہنچا جو حرم کی چوکھٹ تک،
اک ابر کرم نے گھیر لیا
باقی نہ رہا پھر ہوش مجھے،
کیا مانگا اور کیا بھول گیا
جس وقت دعا کو ہاتھ اٹھے،
یاد آ نہ سکا جو سوچا تھا
اظہارِ عقیدت کی دھن میں،
اظہارِ تمنا بھول گیا
ہر وقت برستی ہے رحمت،
کعبہ میں جمیلؔ اللہ اللہ
خاکی ہوں میں کتنا بھول گیا،
عاصی ہوں میں کتنا بھول گیا

(کلام: جمیلؔ نقوی)

حامد ابراہیم

رنگوں سے علاج

مادی آنکھ اوسطاً رنگوں کے دس لاکھ شیڈز دیکھ سکتی ہے۔ شواہد موجود ہیں کہ کچھ افراد میں یہ صلاحیت دس گنا زیادہ پائی گئی ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''ان سب نے کہا کہ دعا کریں آپ ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ بیان کرے ہمارے لئے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ کہا، بے شک وہ فرماتا ہے بلا شبہ وہ گائے ہو زرد رنگ کی، زرد رنگ ایسا ہو کہ دیکھنے والے خوش ہوں۔'' (البقرۃ: ۶۹)

آیت میں جس انداز اور وضاحت کے ساتھ زرد رنگ کے خواص بیان کئے گئے ہیں وہ تفکر طلب ہیں۔ واقعاتی تفصیلات سے قطع نظر آیت کے مرکزی نکتہ یعنی زرد رنگ کے بیان کردہ خواص پہ توجہ مرکوز کی جائے تو انکشافات کا جہاں نظر آتا ہے۔

لفظ صفرا کا مادہ (root word) صفر ہے جس کے معنی زرد یا پیلا رنگ کے ہیں۔ اردو میں اس کا استعمال طبی شعبہ میں معروف ہے جیسے صفراوی طبیعت، صفرا (بیماری) وغیرہ۔ آگے اس رنگ کی صفت لفظ ''فاقع'' سے بیان کی گئی ہے۔

فاقع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے ''گہرا'' جب کہ بعض نے ''روشن'' کیا ہے جو لغوی اعتبار سے زیادہ درست ہے۔ عربی لغت میں فاقع کا مطلب واضح روشن رنگ ہے، ایسا رنگ جو آنکھوں کو روشن لگے۔

آیت کا اگلا حصہ یعنی ''تسر الناظرین'' اس تاثر کو بیان کرتا ہے جو زرد رنگ کو دیکھ کر ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ لفظ ''تسر'' کا مطلب مسرت پیدا کرنے والی شے ہے۔ اردو میں اس مادہ کے مستعمل الفاظ سرور، مسرت، اور مسرور ہیں۔

قارئین کرام! سورۃ البقرۃ کی آیت میں منظّم انداز میں زرد رنگ کی خصوصیات اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ زرد رنگ جو روشن اور واضح ہو اور ناظرین کے ذہنوں پہ خوش گوار تاثر مرتب کرے۔ پہلے حصہ میں رنگ کا بیان ہے، دوسرے میں اس رنگ کی طبعی وہیئتی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اس خصوصیت کو ہم طول موج اور فریکوئنسی کی اصطلاحات سے سمجھ سکتے ہیں۔ تیسرے حصہ میں زرد رنگ کو دیکھنے کی صورت میں مرتب ہونے والا اثر ہے۔ ان نکات کو پہلے سائنس کے

تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورج کی روشنی میں تمام رنگوں کی طول موج یا فریکوئنسی کے اعتبار سے تقسیم یکساں نہیں ہے۔ یاد رہے کہ طول موج اور فریکوئنسی ایک دوسرے سے معکوس متناسب ہیں۔ یعنی طول موج جتنا زیادہ ہوگا فریکوئنسی اتنی کم ہوگی یا جتنی فریکوئنسی زیادہ ہوگی طول موج اتنا کم ہوگا۔ دونوں پہلو ایک خصوصیت کے دو رخ ہیں۔

زرد اور نارنجی رنگ کی مقداریں، سورج کی روشنی میں دوسرے رنگوں کی مقداروں سے زیادہ ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ مادی آنکھ اس رنگ یا روشنی پہ دوسرے تمام رنگوں کی نسبت زیادہ حساس ہے۔ یعنی ہمیں زرد رنگ باقی تمام رنگوں سے زیادہ روشن اور واضح نظر آتا ہے۔ زرد روشنی کی طول موج تقریباً پانچ سو ستّر (570) نینو میٹر ہے۔ ایک نینو میٹر، ایک میٹر کا اربواں حصہ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ جس روشنی کی مقدار ہمارے سورج میں دوسری روشنیوں کی نسبت زیادہ ہے، اسی روشنی پہ ہماری آنکھوں کی حساسیت انتہائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رات کو عام بلب کی روشنی کی نسبت سوڈیم لیمپ کی روشنی میں ہم زیادہ واضح اور روشن دیکھ سکتے ہیں کیوں کہ سوڈیم لیمپ کی روشنی میں زرد روشنی کی مقدار زیادہ ہے۔

مادی آنکھ تقریباً 400 نینو میٹر سے لے کر 700 نینو میٹر طول موج کی روشنیاں یا رنگ دیکھ سکتی ہے۔ اگرچہ ان حدود سے کم یا زیادہ طول موج کی روشنیاں لاشمار ہیں لیکن مادی آنکھ انہیں دیکھنے سے قاصر ہے۔ دوسری مخلوقات خصوصاً حشرات کئی ایسی روشنیاں دیکھ سکتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔

مادی آنکھ کی مرئی حدود: سب سے زیادہ طاقت ور یا زیادہ فریکوئنسی کی روشنی جو مادی آنکھ دیکھ سکتی ہے وہ جامنی ہے، اس کا طول موج تقریباً 400 نینو میٹر ہے۔ اس کے بعد گہرے نیلے رنگ کی روشنی ہے جس میں ہلکی جامنی جھلک موجود ہو، اس کا طول موج تقریباً 445 نینو میٹر ہے۔ پھر نسبتاً روشن نیلا رنگ ہے جس کا طول موج تقریباً 475 نینو میٹر ہے۔ اس کے بعد سبز روشنی جو تقریباً 510 نینو میٹر طول موج پر مشتمل ہے۔ سبز کے بعد زرد روشنی ہے جس کا طول موج تقریباً 570 نینو میٹر ہے۔ زرد کے بعد نارنجی روشنی تقریباً 590 نینو میٹر اور سرخ روشنی تقریباً 650 نینو میٹر کا طول موج رکھتی ہے۔ یہ درجہ بندی سہولت کے لئے ہے جب کہ ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں حقیقتاً کوئی حد فاصل موجود نہیں ہے۔

مادی آنکھ اوسطاً رنگوں کے دس لاکھ شیڈز دیکھ سکتی ہے۔ شواہد موجود ہیں کہ کچھ افراد میں یہ صلاحیت دس گنا زیادہ پائی گئی ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی آنکھ میں رنگ شناخت کرنے والے خلیات (Cones) تین گروہوں میں تقسیم ہیں جو بالترتیب

* ایک میٹر = ایک ارب نینو میٹر

سرخ ،زرد اور سبز رنگوں کی شناخت کرتے ہیں۔ایک کون تقریباً100 شیڈز شناخت کرسکتا ہے۔اس طرح تمام خلیات مجموعی طور پر دس لاکھ شیڈز شناخت کر سکتے ہیں۔جن افراد میں یہ صلاحیت دس گنا زیادہ ہوتی ہے ان میں خلیات(cones) کے تین گروہوں کے بجائے چار گروہ موجود ہوتے ہیں۔اضافی گروہ نارنجی رنگ کی شناخت کرتا ہے۔باقی تمام رنگ ان رنگوں کے امتزاج سے پیدا ہوتے ہیں۔

برقی مقناطیسی اسپیکٹرم اور مرئی روشنیاں: روشنی کا لفظ عموماً ایسی برقی مقناطیسی لہروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کو مادی آنکھ دیکھ سکے۔جب کہ تمام قسم کی برقی مقناطیسی لہریں درحقیقت روشنیاں ہیں اگرچہ مادی آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔سائنس نے برقی مقناطیسی لہروں کی جو اقسام معلوم کی ہیں ان کی طاقت ور ترین قسم گیما شعاعیں شمار کی جاتی ہیں۔ان کا طول موج ایک پیکو میٹر کی حدود میں ہے۔ایک پیکو میٹر، ایک میٹر کا دس کھربواں حصہ ہے۔گیما شعاعوں سے کم انرجی کی لہریں ایکس ریز اور الٹرا وائلٹ روشنیوں پہ مشتمل ہیں۔ پھر مرئی روشنیاں (visible spectrum) ہیں۔ ان کے بعد انفرا ریڈ، مائکرو ویوز اور ریڈیو ویوز ہیں۔

ریڈیو ویوز کی طول موج ایک ملی میٹر سے لے کر کئی کلو میٹر تک ہوسکتی ہے۔ حتیٰ کہ طول موج کی طوالت اتنی زیادہ بھی ہو جاتی ہے کہ کائنات کا احاطہ کر لیتی ہے۔

اس نکتہ پر تفکر کرنے سے روحانی علوم کی فہم حاصل کی جاسکتی ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔ساری بات کا مقصد یہ ہے کہ جن روشنیوں میں ہماری آنکھیں دیکھنے کے قابل ہیں، وہ تمام معلوم یا دریافت شدہ روشنیوں کا کتنا حصہ بنتا ہے؟

یہ امر غور طلب اور حیران کن ہے کہ مرئی روشنیاں معلوم برقی مقناطیسی اسپیکٹرم (ویزیبل اسپیکٹرم) کے ایک فی صد کے دس لاکھویں حصہ سے بھی کم پہ مشتمل ہیں۔

قارئین کرام! کیا یہ امر مادی حواس کی محدودیت کو ظاہر نہیں کرتا؟ کیوں کہ جن روشنیوں کو مادی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں وہ تمام معلوم روشنیوں میں مقدار اور تعداد کے لحاظ سے نہ ہونے کے برابر ہیں اور ان روشنیوں میں کائنات و موجودات کا مشاہدہ کرنا کچھ بھی نہ دیکھنے کے برابر ہے۔یہ اور بات ہے کہ ان روشنیوں کا احاطہ بھی نوع آدم کے مادی علوم ابھی تک نہیں کر پائے۔

یہ بات طے ہے کہ مادی حواس کی حدود مقرر ہیں۔ ان حدود میں رہ کر شے کی کنہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ مادہ کی بساط بھی مادہ پہ قائم نہیں بلکہ ان روشنیوں پر ہے جو آدمی کو تو نہیں لیکن انسان کو نظر آتی ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ مختصر ترین حدود کی روشنیوں کا احاطہ اب تک نہیں کیا جاسکا تو دوسری روشنیوں میں کائنات کی وسعتوں کا کیا عالم ہوگا— ؟ اگر ہم ان روشنیوں کو دیکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیں تو وہ رنگ کس طرح نظر آئیں گے؟ یقیناً ان رنگوں کو احاطۂ بیان میں لانا ممکن نہیں کیوں کہ مادی حواس میں ان رنگوں کا

ریکارڈ موجود نہیں ۔ اُن رنگوں کی ہیئت اِن رنگوں سے یکسر مختلف ہے ۔ روحانی حواس کی فہم کے بغیر اس سوال کا جواب ناممکنات میں سے ہے ۔

بے شمار رنگ: اللہ کے دوست، عظیمی صاحب، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں شامل اپنی تصنیف ''احسان وتصوف'' میں رقم طراز ہیں:

''ایک صوفی نے سیہون شریف میں لعل شہباز قلندرؒ کے مزار پر مراقبہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے اندر سے روح کا ایک پرت نکلا اور قبر کے اندر اتر گیا۔ لحد میں صاحب قبر موجود تھے۔ قبر کے بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی یا چھوٹا دروازہ ہے ۔ قلندر صاحبؒ نے فرمایا، جاؤ! یہ دروازہ کھول کر اندر کی سیر کرو، تم وہاں جاسکتے ہو۔ صوفی نے دروازہ کھولا تو باغ نظر آیا۔ ایسا خوب صورت باغ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اس باغ میں ایسے پرندے دیکھے جن کے پروں سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔ ایسے پھول دیکھے جن کا تصور نوع انسانی کے شعور سے ماورا ہے۔ پھولوں میں خاص اور عجیب بات یہ نظر آئی کہ ایک ایک پھول میں کئی کئی سو رنگوں کا امتزاج ہے اور یہ رنگ محض رنگ نہیں بلکہ ہر رنگ روشنی کا قمقمہ ہے۔ ہوا چلتی ہے تو رنگ اور روشنیوں سے بنے ہوئے پھول ایسا سماں پیدا کرتے ہیں کہ ہزاروں رنگ برنگے روشن قمقمے درختوں کی شاخوں پر جھول رہے ہیں۔''

قارئین کرام! برقی مقناطیسی لہروں کے اس بحر بے کراں میں موجود جن لہروں کو ہم مرئی روشنیاں کہتے ہیں، قطرہ سے زیادہ مقدار نہیں رکھتیں جب کہ مادی حواس کے لئے ان کی حیثیت بھی لامحدود ہے۔

زمین، سورج، چاند، تارے، پھل، پھول، حیوانات و نباتات، پہاڑ، سمندر، دریا، ہوائی جہاز، عمارتیں، گاڑیاں، بڑے بڑے شہر اور جو کچھ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں، اِنہی چند روشنیوں میں ہمیں نظر آتا ہے جنہیں ہم مرئی روشنیاں سمجھتے ہیں۔ زندگی ان روشنیوں میں گزر جائے تو باقی لامحدود روشنیوں کا ادراک حاصل نہیں ہوگا۔ یقیناً اس صورت حال کو ناانصافی اور ظلم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیوں کہ رب العالمین نے کوئی شے بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ خود چاہتے ہیں کہ نوع آدم کے افراد ان حواس سے واقف ہوں جن کی فہم اور حصول کے بغیر کائنات کو سمجھنا ممکن نہیں۔

مثال: ایک بہت بڑی دیوار ہے۔ دیوار کے پیچھے خوب صورت پہاڑ، آبشاریں، باغ، پھل، پھول اور سبزہ سب موجود ہے۔ دیوار میں بہت چھوٹا سوراخ ہے ۔ ناظر دیوار کے پار اس خوب صورت دنیا کو دیکھنا چاہتا ہے لیکن انتہائی مختصر سوراخ کے علاوہ دیکھنے کی صورت موجود نہیں ۔ وہ اس سوراخ سے ساری عمر بھی دوسری طرف دیکھتا رہے، دوسری طرف موجود حقیقت ووسعت سے روشناس نہیں ہوسکتا اور نہ خوب صورتی سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ ایک ہی صورت ہے کہ کسی طرح مختصر شگاف کے

بجائے بہت بڑی کھڑکی نصب کی جائے یا دیوار سے آزادی حاصل کر لی جائے۔

مادی حواس کی حدود اس مختصر شگاف سے زیادہ نہیں۔

زرد رنگ اور مادی حواس: رنگ کیا ہے؟

باطنی علوم کے ماہرین کے مطابق ہر رنگ ایک مقدار ہے اور مقدار معین ہے۔ اس بات کو مادی طرزوں میں مقداروں کی طول موج یا فریکوئنسی جیسی اصطلاحات سے سمجھ سکتے ہیں۔ ایک رنگ کا دوسرے سے مختلف ہونا، مقدار کے فرق کی وجہ سے ہے۔ ہر مقدار مخصوص طبع وخصوصیت رکھتی ہے۔ پکی ہوئی فصلیں، پکے ہوئے پھل، ہلدی، مسالے، خوردونوش کی بیش تر اشیا حتیٰ کہ دھوپ اور مٹی میں بھی زرد رنگ غالب کیوں نظر آتا ہے؟ زرد رنگ کی مقداریں کس قسم کے حواس پیدا کرتی ہیں اور ان سے کیا کیفیات مرتب ہوتی ہیں—؟

الشیخ عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''جس قدر زرد رنگ کا غلبہ زیادہ ہوگا اسی مناسبت سے آدمی کے اوپر دنیاوی حواس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ روحانیت میں مراقبہ اس لئے کرایا جاتا ہے کہ آدمی کے اوپر سے زرد رنگ کی گرفت کم ہو جائے۔ زرد رنگ کی گرفت کم ہونے سے آدمی کا ذہن سبز روشنیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ سبز روشنیاں اسے سکون دیتی ہیں اور ذہنی ارتکاز میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ جب ذہنی ارتکاز سبز روشنیوں پر ہوتا ہے تو ذہن نیلی روشنیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔''

عظیمی صاحب نے اس بات کو دوسری جگہ درج ذیل پیرائے میں بیان فرمایا ہے:

''قلندر شعور ہمیں بتاتا ہے کہ ذہن کو دنیاوی علائق اور دنیاوی معاملات سے یک سو کرنے کے لئے ایسی مشقوں کی ضرورت ہوتی ہے جن مشقوں سے ذہن دنیا کو عارضی طور پر چھوڑ دے یعنی ذہن سے دنیا کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ یوں کہئے کہ دنیاوی معاملات روٹین کے طور پر پورے ہوتے ہیں تو آدمی کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب ذہن ان صلاحیتوں میں بہت زیادہ متوجہ ہوتا ہے تو شعور کے اوپر سے زرد رنگ کا خلیہ ٹوٹنے لگتا ہے، نتیجہ میں زمان و مکان کی حد بندیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں کہ آدمی بیدار ہوتے ہوئے بھی ایسے عمل کرنے لگتا ہے جس طرح خواب کی زندگی میں کرتا ہے۔ مراقبہ میں آنکھیں بند کئے ہوئے پوری طرح احساس ہوتا ہے کہ میں جسمانی طور پر زمین پر بیٹھا ہوا ہوں، اس کے باوجود زمین پر چل پھر رہا ہوں، فضا میں اڑ رہا ہوں اور فاصلوں کی نفی کر کے دور دراز چیزوں کو دیکھ رہا ہوں۔''

حکمت کی گہرائیوں سے معمور اقتباسات سے چند چشم کشا انکشافات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ زرد رنگ سے ثقل پیدا ہوتا ہے یا زرد رنگ ثقل کی مقداروں سے براہ راست منسلک ہے۔ زرد رنگ یا زرد روشنی پہ غلبہ، قوت ثقل پہ غلبہ ہے۔ یہ فارمولا ایسی ٹیکنالوجی کا سراغ دیتا ہے جس کی مدد سے ثقل پہ غلبہ حاصل کر کے حیرت انگیز کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔

۲۔ زرد رنگ، زمان و مکان کی حد بندیوں کو مستحکم کرتا ہے یعنی مادی حواس کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔ زرد رنگ کا خلیہ ٹوٹنے سے زمان و مکان کی حد بندیاں ختم یا اتنی کم زور ہو جاتی ہیں کہ ہم فاصلہ اور وقت حذف کر کے نئی دنیاؤں سے واقف ہو سکتے ہیں۔

۳۔ مادی حواس کو زرد رنگ کے حواس کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ہر روشنی منفرد خصوصیات کی بنا پہ مخصوص کیفیات یا اسپیس پیدا کرتی ہے۔ مادی حواس کی اسپیس، زرد رنگ یا زرد روشنی کی اسپیس ہے اسی طرح سبز روشنی یا نیلی روشنی مخصوص اسپیس پیدا کرتی ہے۔ واقف ہونے کے لئے ان روشنیوں کی اسپیس میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر روشنی معین مقداروں سے مختلف ابعاد (dimensions) پیدا کرتی ہے جن سے وقوف، ان ابعاد میں داخل ہوئے بغیر ممکن نہیں۔

۴۔ رنگوں اور روشنیوں کے خواص اور مقداروں کی کنہ تک رسائی سے ایسی سائنس کے در وا کئے جا سکتے ہیں جو نوع آدم کو پابند حواس سے لامحدود حواس میں داخل کر سکے۔

کتاب ''رنگ و روشنی سے علاج'' میں تحریر ہے:

''زرد رنگ کی کمی امراض معدہ کا سبب بنتی ہے اور اس کی زیادتی بخار کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔''

جسم میں زرد رنگ کی مخصوص مقدار موجود رہنا صحت کے لئے ضروری ہے۔ قدرت نے اس مقدار کو جسم میں قائم رکھنے کے لئے انتظام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیائے خورد و نوش پہ زرد رنگ کا غلبہ ہے۔ محترم عظیمی صاحب جس طرح زرد رنگ کی کمی بیشی کے جسم پہ اثرات بیان فرماتے ہیں، اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ بیماریوں کے علاج میں اگر ہم لطیف مقداروں سے واقف ہو جائیں تو نہ صرف کثیف مادی واسطوں سے آزاد ہو سکتے ہیں بلکہ علاج میں روشنیوں سے مدد لے کر انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

مرض دراصل روشنیوں کی مقداروں کا عدم توازن ہے جسے روحانی آدمی توازن میں تبدیل کر کے بیماری ختم کر دیتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ روشنیوں اور رنگوں کے خواص جاننے کی کوشش کی جائے۔

دو مخصوص مقداروں کا مرکب ہے۔ ایسی مقداریں جو جسم میں داخل کرنے سے روشنیوں کا عدم توازن (بیماری) ختم ہو جائے۔ لیکن مادی واسطہ میں نقائص بہرحال موجود ہیں۔ ایک تو یہ انتہائی سست واسطہ ہے۔ دوم یہ کہ مخصوص مقداروں کے علاوہ اس میں متعدد غیر متعلقہ مقداریں شامل ہیں جو نہ صرف مطلوبہ مقداروں کی کارکردگی اور اثر کو کم کرتی ہیں بلکہ منفی اثرات (side effects) جسم پر مرتب کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک جیسا علاج ہمیشہ کارگر نہیں ہوتا کیوں کہ معالج روشنیوں کی بنیادی مقداروں سے واقف ہونے کے بجائے ان مرکبات سے واقف ہے جن میں روشنیاں بطور آمیزش موجود ہیں۔ جسم میں براہ راست یا زیادہ لطیف واسطوں کو اپنا کر جسم کو روشنیوں میں رکھا جائے تو علاج انشاءاللہ کامیاب ہوگا۔

عمرہ سروس

تجمل للسفریات (المحدودہ) الخاصہ

عمرہ کی رہنمائی اور تمام ائیرلائن کی سستی ترین ٹکٹ دستیاب ہیں

ویزہ
ہوٹل اور ٹرانسپورٹ
ائیرلائن ٹکٹ

Tajammal

• بجٹ پیکج
•• اکانومی پیکج
••• سٹار پیکج

(پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل ٹریولز

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR

گلف، ملائشیا، جنوبی کوریا
میں ملازمت کے شاندار مواقع

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa
- Visit Visa

شعبة تی ایچ اے (THA) للتطور الامور
تتعلق بالعمال/الموعطفين الاجانب
رخصة رقم ۴۱۸۹/لاہور

رانا تجمل حسین
0321-6680266
0300-6654211

طیب طاہر
0336-6333313
Tel: 0092-41-2641904

Gole Bhawana Bazar , Faisalabad.
Email:tajammaltravels1@gmail.com
Email:thaoep1@gmail.com

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ ظاہری علوم میں علم پہلے اور عمل بعد میں ہے — باطنی علوم میں عمل کے بعد علم ہے۔

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190 0321-6696746

محمد سعید انور

مسکرایئے اور ــــ؟

جب میں فون اٹھاتا ہوں تو ہیلو کہنے سے پہلے مسکراتا ہوں۔ اکثر لوگ اس عادت پر میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ جانتا ہوں کہ فون کے دوسری طرف شخص میری مسکراہٹ نہیں دیکھ رہا لیکن ــــ

میں پانچ ہزار اسکوائر فٹ پر بنے عالی شان دفتر میں کسی سے ملاقات کا منتظر تھا۔ کثیر المنزلہ عمارت کی آخری منزل پر بنے دفتر سے پورے شہر کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنی تھی اور عملہ کا تعلق مختلف ممالک سے تھا، سب مستعدی سے کام کر رہے تھے اور چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ خاموشی کبھی فون کی آواز سے ٹوٹتی تو کبھی پرنٹر یا قریب بیٹھے شخص کے کی بورڈ کی آواز مجھے متوجہ کر دیتی۔

شہر کے مہنگے ترین علاقہ میں یہ دفتر، دیدہ زیب ماحول اور یہاں سے شہر کا منظر ــــ کسی کی برسوں کی محنت کا ثمر تھا۔ ایک فرد کی محنت سے اس فرد کے علاوہ متعدد ممالک کے لوگ اور ان کے خاندان مستفیض ہو رہے تھے اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہر فرد کڑی در کڑی دوسرے سے منسلک ہے۔ ایک شخص پودا لگاتا ہے اور باقاعدگی سے پانی دیتا ہے۔ پودا درخت بنتا ہے، درخت میں پھل لگتے ہیں، پھل دیگر افراد کے ذریعے مارکیٹ تک پہنچتا ہے جہاں خریدار آتے ہیں اور ہر پھل اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

صنعت کار کے پاس سینکڑوں ملازمین کام کرتے ہیں، ان ملازمین سے ہزاروں لوگ منسلک ہوتے ہیں اور ہزاروں افراد سے بات لاکھوں، کروڑوں اور پھر اربوں تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عمل کے ذریعے معاشرہ میں تبدیلی پیدا کر رہا ہے۔ تبدیلی مثبت ہے یا منفی ــــ انحصار فرد کے طرز عمل پر ہے۔ اپنا محاسبہ کر کے ہر شخص جانچ سکتا ہے کہ اس نے دنیا کو فائدہ پہنچایا ہے یا نقصان!

میں جس سے ملاقات کے لئے آیا تھا اس کی حیرت انگیز ترقی کے چرچے تھے۔ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا راز ہے جس نے اسے پس ماندہ علاقہ سے بڑے شہر تک پہنچایا جہاں وہ کامیاب بزنس مین بن گیا۔ کامیابی کا راز جاننے کی جستجو یہاں لے آئی۔

تھوڑی دیر بعد خاتون سیکریٹری نے اطلاع دی کہ صاحب منتظر ہیں۔ اس کے پیچھے چلتے ہوئے میں نفیس کمرے میں داخل ہوا۔ خاتون ہمارے سامنے کافی کے

کپ رکھوا کر باہر چلی گئی۔قیمتی سوٹ، مہنگی فرانسیسی خوش بو ہاتھ میں کیو با کا مہنگا سگار، بڑے اور جدید شہر میں طویل عرصہ گزارنے کے باوجود لہجہ میں اپنی مٹی کا اثر!

وہ مسکرایا اور کہا، تو تم جاننا چاہتے ہو کہ میں اس مقام پر کس وجہ سے ہوں۔ مسکراہٹ جان دار تھی۔ وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ پر اپنائیت اور محبت کے رنگ تھے۔ مسکراہٹ میں مقناطیسی کشش تھی۔ یاد نہیں کہ ایسی مسکراہٹ پہلے کہیں دیکھی ہو۔

جی! جاننے آیا ہوں کہ پس ماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والا شخص کن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچا۔

مجھے اس مقام تک میری مسکراہٹ نے پہنچایا ہے۔

غیر متوقع انکشاف پر میں چونک گیا۔ کیا محض مسکراہٹ غریب کو امیر بنا سکتی ہے—؟

کیوں نہیں! مسکراہٹ سے ہی آدمی غریب سے امیر بنتا ہے، منہ بسورنے اور مایوسی سے نہیں۔ میرا تعلق اپنے شہر کے سب سے پس ماندہ طبقہ سے تھا۔ بڑوں کا روزگار نسلوں سے نالیوں اور بیت الخلا کی صفائی سے وابستہ تھا۔ جب جوان ہوا تو آباؤ اجداد کی تقلید سے انکار کر دیا اور دوسرا روزگار تلاش کیا لیکن لوگ ایک ''جمعدار'' کو کام دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس طرح میں بے روزگار ہو گیا۔

بالآخر روزی کی تلاش میں دوسرے شہر چلا آیا۔ میرے جیسے لوگ جب چھوٹے شہروں سے بڑے شہروں میں آتے ہیں تو احساس کم تری کا شکار ہو جاتے ہیں اور مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ نتیجہ میں سب سے پہلے وہ ہنسنا بولنا بھول جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پریشان حال سارا دن مزدوری کی تلاش میں پھرتا۔ تلخ تجربہ سے چہرہ پر سنجیدگی اور غصہ کے نقوش چھا گئے۔

ایک روز ایک شخص ملا جو پھلوں کی ریڑھی لگاتا تھا۔ اس نے کہا— بھائی صاحب جب تک مسکرانا نہیں سیکھو گے، کام یاب نہیں ہو گے۔

میرے لئے یہ بات عجیب تھی۔ ناگواری سے دیکھا تو اس نے بوری کے نیچے سے آئینہ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔ آئینہ میں شکل دیکھی— چہرہ پر روکھا پن، بے تحاشا غصہ، نفرت اور سنجیدگی تھی۔

پھل والے نے آئینہ سامنے سے ہٹایا اور بولا— اب تم میری فرمائش پر تھوڑا مسکرا دو۔ اس کے خلوص اور زندہ دلی پر میں بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے آئینہ دوبارہ میرے سامنے کر دیا— شکل تبدیل ہو چکی تھی اور سختی کے بجائے نرمی کا تاثر تھا۔

وہ بولا— جس کے پاس ہنر نہ ہو اگر وہ مسکرانا سیکھ لے تو قسمت بدل جاتی ہے۔

بات دل میں اتر گئی اور میں نے مسکرانے کی عادت اپنالی۔ ابتدا میں مشکل ہوئی کیوں کہ حالات ایسے تھے کہ جن پر صرف رویا جا سکتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ چہرہ پر دو ایسے زاویے یا پوائنٹس ہیں جو تاثرات پیدا

کرتے ہیں۔ ہر تاثر ان پوائنٹس سے منسلک ہے۔ مسکراہٹ واحد عمل ہے جس سے چہرہ کے تمام پوائنٹس متحرک ہوجاتے ہیں۔ جو شخص دن میں دس بیس مرتبہ مسکراتا ہے اس کے چہرہ کے تاثرات زندہ رہتے ہیں اور آنکھوں میں چمک ہوتی ہے۔ دوسری طرف کم مسکرانے والے لوگوں کا چہرہ پھیکا اور پھر مردہ ہوجاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسکراہٹ سے جسم میں ہونے والے کیمیائی عمل سے اعصاب، احساسات اور جذبات کو سکون اور تقویت ملتی ہے۔ ہم بوجھ سے آزاد خود کو ہلکا محسوس کرتے ہیں اور کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر مسکرانے کی مشق کرنا شروع کی۔ آئینہ کے سامنے کھڑا ہوجاتا اور گھنٹوں مسکرانے کی مشق کرتا جیسے دل چسپی سے کوئی کہانی سن رہا ہوں۔ مشق سے جسم میں تناؤ کم ہوا اور میں ہشاش بشاش رہنے لگا۔ اس دوران خیال آیا کہ جو کام ملے کرلینا چاہئے۔ میں نے چھوٹی موٹی مزدوری شروع کردی۔

امیر کبیر شخص نے بتایا کہ مسکراہٹ کی اکیس قسمیں ہیں۔ آپ مسکرا کر سلام کرتے ہیں، مسکرا کر دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، مسکرا کر معذرت کرتے ہیں، مسکرا کر شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح مسکرا کر کامیابی یا ناکامی کا اعتراف کرتے ہیں۔ کھاتے پیتے بھی مسکرا کر ہیں۔ میں نے ایک سال میں اکیس اصولوں پر عبور حاصل کرلیا، ہر اصول کا تعلق مسکراہٹ سے تھا۔ بندہ جب مرکز سے قائم ہوجائے تو مرکز سے منسلک ہر شے دائرہ میں آجاتی ہے۔ محسوس کیا کہ حلقۂ احباب میں اضافہ ہوگیا ہے اور ہر شخص مجھے پسند کرنے لگا ہے۔ لوگ مجھ سے بات کرکے خوشی محسوس کرتے اور قربت کے متمنی رہتے تھے۔

اس سال بھی مناسب کام نہ مل سکا۔ مزدوری کے ساتھ نوکری کی تلاش جاری رکھی۔ مسکراہٹ کے ساتھ ایک عادت یہ اپنائی کہ شام کو کسی پارک میں چہل قدمی کرتا تھا۔ وہاں ایک شخص روزانہ واک کے لئے آتا تھا۔ ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے تو میں اسے مسکرا کر دیکھتا جواباً وہ بھی مسکرا دیتا۔ یہ روز کا معمول تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا۔ اس دوران گزر بسر کے لئے جو کام ملا میں نے کیا لیکن مناسب نوکری کی ہر کوشش بے کار ہوگئی، پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا۔

دوست نے مشورہ دیا کہ دوسرے ملک چلے جاؤ لیکن میرا دل نہیں مانا۔ یہ سوچ کر کہ پردیس کا اللہ بھی وہی ہے جو اس دیس کا ہے۔ جو وہاں دیتا ہے وہ یہاں بھی دے گا۔ ساری بات وقت کی ہے۔ وقت سے پہلے کچھ نہیں ملتا اور نہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ پر بھروسا کرکے میں نے محنت اور تلاش جاری رکھی۔

ایک روز کسی بڑی فیکٹری میں ملازمت کے لئے گیا۔ وہاں میرے علاوہ کئی لوگ تھے۔ کچھ متوسط طبقوں سے اور کچھ میرے جیسے تھے۔ بیش تر لوگوں کو مایوس چہرہ کے

ساتھ واپس لوٹتے دیکھا تو اپنی کام یابی کے امکانات صفر نظر آئے۔ اپنی باری پر متعلقہ کمرہ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ سامنے وہی شخص تھا جس سے پارک میں واک کے دوران روزانہ مسکراہٹ کا تبادلہ ہوتا تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے دیکھا — میں بھی مسکرا دیا۔ خیریت پوچھی اور چند منٹ انتظار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بتایا کہ میں کل سے کام پر آسکتا ہوں۔ اشارہ سے الوداع کہا — وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

پہلا کام میں نے فرش کی صفائی کا کیا۔ اس کے بعد وہاں لوڈر بھرتی ہوگیا۔ پھر سیلز مین بنا، کیمسٹ کی دکان پر کام کیا۔ وقت ملنے پر دوسرے کام کئے۔ لوگوں کے گھروں میں اخبار ڈالا، غرض کوئی کام نہ تھا جو نہ کیا ہو۔

مسکراہٹ نے ہر کام میں ساتھ دیا اور میں کام یابی کی منازل طے کرتا گیا۔ ایک دن ایسا آیا کہ چھوٹے پیمانہ پر اپنا کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے برکت دی۔ برکت میں حق دار کا حصہ ان تک پہنچایا۔ جو کچھ مجھے ملتا، اس میں سے اللہ کے راستہ میں ضرور خرچ کرتا۔ اور پھر آمدنی میں اضافہ کی مناسبت سے کار خیر میں اضافہ ہوتا رہا۔ آج میری کارگو کمپنی ہے اور میرا شمار اس ملک کی کام یاب ترین کاروباری شخصیات میں ہوتا ہے۔ داستان سنا کر خاموش ہوا تو میں نے کہا،

یعنی کام یابی کا سہرا آپ مسکراہٹ کو سمجھتے ہیں۔

اثبات میں سر ہلایا اور بولا — مسکراہٹ نے مجھے شکر کرنا سکھایا اور تلخ حالات میں مایوسی سے نکالا۔ میں نے سیکھا کہ جو مسکراہٹ میرے پاس ہے وہ مجھے دوسروں کو بھی منتقل کرنی چاہئے۔ لہٰذا اپنی مسکراہٹ اور حسب استطاعت لوگوں کی مدد سے کوشش کی کہ ہر چہرہ مسکرائے۔ یقین کرو جب میں فون اٹھاتا ہوں تو ہیلو کہنے سے پہلے مسکراتا ہوں۔ اکثر لوگ اس عادت پر میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ جانتا ہوں کہ فون کے دوسری طرف شخص میری مسکراہٹ نہیں دیکھ رہا لیکن جب میں مسکراتا ہوں تو آواز میں خوش گوار تاثر پیدا ہوتا ہے جو فون پر موجود دوسری طرف ضرور پہنچتا ہے۔

اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو مسکراہٹ جیسی عظیم نعمت عطا کی ہے جس سے وہ دنیا فتح کرسکتا ہے لیکن اکثر لوگ مسکراہٹ کی طاقت سے ناواقف ہیں اور نتائج سے آگاہ نہیں۔ اگر وہ جان لیں کہ مسکرانے کے کمالات کیا ہیں — تو کبھی غم اور خوف کو خود پر طاری نہیں کریں گے۔

قارئین! یہ شخص صرف مسکرایا نہیں ہے، اس نے ہر کام مسکراتے ہوئے کیا ہے۔ مسکرانے سے جسم وصحت کی کارکردگی بڑھتی ہے۔ پریشان خیالی متاثر نہیں کرتی۔ مسئلہ درپیش ہو تو مسکراہٹ کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے ایک ہنستے ہوئے نظر انداز کرنا یا پریشانی کو حاوی کئے بغیر مسکراتے ہوئے کوشش جاری رکھنا ہے۔ چینی کہاوت ہے کہ جسے مسکرانا نہیں آتا وہ دکان نہ کھولے۔

پچاس ہزار میگاواٹ بجلی

پاکستان میں ہر گھر سے اوسطاً تین کلو کچرا یومیہ جب کہ مجموعی طور پر تقریباً 55 ہزار ٹن کچرا نکلتا ہے۔ ایک ٹن کچرے سے تقریباً پانچ سو کلو واٹ بجلی یا تقریباً 265 لیٹر ایتھنول ایندھن بنتا ہے۔ اس طرح قریباً 27000 میگاواٹ بجلی حاصل ہوسکتی ہے۔

توانائی کی حیثیت معیشت کے لئے جسم میں گردش کرتے لہو کی ہے جس کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کی جاسکتیں۔ توانائی کے لئے دستیاب وسائل سے استفادہ کا انحصار ٹیکنالوجی پر ہے۔ پاکستان میں بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لئے کثیر ذرائع ہیں جن سے استفادہ کر کے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

پاکستان انجینیرنگ کونسل کے اعداد و شمار کے مطابق آزادی کے وقت مشرقی و مغربی پاکستان کی مجموعی پیداوار 60 میگاواٹ تھی جو ابتدائی 13 برسوں کے دوران 120 میگاواٹ تک پہنچ سکی۔ تاہم 1952ء میں کے ای ایس سی، 1958ء میں واپڈا کے قیام اور پھر تربیلا اور منگلا سمیت کئی ڈیموں کی تعمیر سے ملک میں بجلی کی پیداوار 60 سے 1331 میگاواٹ ہوگئی۔

1990ء تک ملک میں بجلی کی طلب اور پیداوار میں خاص فرق نہیں تھا، صنعتوں کی توانائی کی ضرورت پوری ہو رہی تھی۔ نیشنل ٹرانسمیشن سسٹم کے ذریعے دیہاتوں کو بجلی پہنچائی جا رہی تھی۔ بجلی پیدا کرنے والے سرکاری اداروں کی کوششوں سے پیداوار 80ء کی دہائی میں 3 ہزار میگاواٹ اور 1991ء تک 7 ہزار میگاواٹ تک پہنچ گئی۔ پھر 90ء کی دہائی کے دوران ملک میں بڑے صنعتی سیکٹرز قائم ہونے اور آبادی میں اضافہ کے باعث پیداوار اور طلب میں توازن قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ اوسطاً 1,500 سے 2,000 میگاواٹ سالانہ طلبی خسارہ نے لوڈشیڈنگ کو جنم دیا۔ توانائی کی قلت پر قابو پانے کے لئے نجی کمپنیوں کو سرمایہ کاری پر مراعات دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ بیسویں صدی کے اختتام تک الیکٹریسٹی ایکٹ تبدیل کر کے بجلی کی پیداوار کو پرائیویٹائز کر دیا گیا۔

1994ء میں انڈیپینڈنٹ پاور پروڈیوسرز (آئی پی پیز) نے پیداوار میں فوری اضافہ کے لئے تیل اور قدرتی گیس سے بجلی کے منصوبے شروع کئے۔ وقتی طور

پر بحران ختم ہونے کے ساتھ پیداوار، طلب سے زائد ہوگئی۔ 2001ء میں عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتوں میں اضافہ کے رجحان سے تھرمل ذرائع سے بجلی کی پیداوار کو کم کرنا ناگزیر ہوگیا، اس طرح پیداوار اور طلب کے درمیان فرق میں پھر اضافہ ہوا اور 2005ء تک گھریلو صارفین کے ساتھ صنعتی صارفین کو بجلی کی مسلسل فراہمی مشکل ہوگئی۔

پاکستان انجینیئرنگ کونسل کا کہنا ہے کہ آئندہ کئی دہائیوں تک پانی سے توانائی کا حصول بہتر اور سستا ترین ذریعہ ہوگا اور وہ ممالک ترقی کی شرح میں اضافہ میں کامیاب ہوں گے جو واٹر ٹربائن کی ٹیکنالوجی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش اور نئے ڈیموں کی تعمیر جاری رکھیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ غیر روایتی یا سستے متبادل ذرائع کے حصول میں کامیابی کا دارومدار ٹیکنالوجی میں بہتری لانے کے لئے زیادہ سے زیادہ تحقیق پر ہے۔

پاکستان میں پانچ بڑے ذرائع سے بجلی پیدا کی جارہی ہے، ان میں پانی، تھرمل (تیل، قدرتی گیس، کوئلہ)، ہوا، سورج اور ایٹمی توانائی شامل ہیں۔

پن بجلی کی پیداوار: ڈیم سے بجلی بنانے کا اصول آسان ہے۔ دریا، ندی یا جھیل کا پانی اونچی جگہ پر ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پھر اسپل وے کے ذریعے تیز رفتار پانی کو واٹر ٹربائن سے گزارا جاتا ہے۔ پانی کی رفتار سے ٹربائن کے پنکھے گھومنے لگتے ہیں، حرکی توانائی کو جنریٹر بجلی میں تبدیل کردیتا ہے جو ترسیلاتی لائنوں کے ذریعے گرڈ اسٹیشن تک پہنچتی ہے اور وہاں سے ٹرانسفارمرز بجلی کو گھریلو اور صنعتی صارفین تک پہنچاتے ہیں۔

پاکستان کے پاس دستیاب قدرتی وسائل میں سب سے اہم پانی ہے۔ دریائے سندھ پر تربیلا اور جہلم پر منگلا ڈیم تعمیر کیا گیا۔ آج بھی منگلا ڈیم سے ایک ہزار میگاواٹ سستی پن بجلی حاصل کی جارہی ہے۔ توسیعی منصوبہ جاری ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہوگا۔

تربیلا ساڑھے گیارہ ملین ایکڑ فٹ پانی اسٹور کرنے کی صلاحیت کھو کر تقریباً سات ملین ایکڑ فٹ پر آچکا ہے۔ یہ گیارہ سو میگاواٹ بجلی فراہم کرتا ہے۔ مکمل توسیع سے صلاحیت تین ہزار میگاواٹ تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ سب سے اہم منصوبہ نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پروجیکٹ ہے جس کا پانی ذخیرہ کرنے کے لئے کسی جھیل کی تعمیر ضروری نہیں بلکہ کئی کلومیٹر لمبی سرنگ کے ذریعے دریائے نیلم کے پانی کو جہلم میں منتقل کیا جارہا ہے۔ راستہ میں ٹربائنوں کی تنصیب کے ذریعے بجلی پیدا کی جائے گی۔

دیامر بھاشا ڈیم شمالی علاقہ جات میں دریائے سندھ پر تعمیر کیا جارہا ہے جو بارش کے بجائے گلیشیئر کے پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چار ہزار میگاواٹ پن بجلی کی صلاحیت ملک کے لئے سستی بجلی کی صورت میں نعمت سے کم نہیں۔ پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت سے منگلا اور تربیلا کی صلاحیت میں کمی کا ازالہ ہوگا۔

اکوڑی ڈیم دریائے ہارو پر تعمیر کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ یہ تربیلا میں سالٹنگ کو کم کرے گا اور زراعت کے لئے مفید ہے۔ کرم تنگی ڈیم دریائے کرم پر تجویز کیا گیا ہے۔ بنیادی مقصد زراعت کا فروغ اور بجلی کی پیداوار ہے۔ منڈا ڈیم نیلم جہلم کی طرح منافع بخش منصوبہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ مہمند ایجنسی کے قریب دریائے سوات پر تجویز کیا گیا ہے جہاں منڈا ہیڈ ورکس موجود ہے۔ اس کی جھیل اعشاریہ نو ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کر سکے گی جب کہ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت نو سو میگاواٹ ہوگی۔ تعمیر سے نوشہرہ اور پشاور ویلی میں سیلاب پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ گلگت بلتستان میں نلتر ڈیم جیسے چھوٹے منصوبے مکمل کئے جاسکتے ہیں جو پندرہ سے تیس میگاواٹ بجلی فراہم کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پنجی اور کٹزرہ ڈیم جیسے بہت بڑے منصوبوں کی فیزیبلیٹی موجود ہے۔

پاکستان میں پانی سے ایک لاکھ میگاواٹ سے زائد بجلی پیدا کی جاسکتی ہے ـــ ڈیم، نہریں، دریا، سمندر وغیرہ مختلف ذرائع ہیں۔ پاکستان 6500 میگاواٹ بجلی ڈیموں کے ذریعے حاصل کرتا ہے یعنی کل ضروریات کا 33 فیصد پن بجلی سے پورا کیا جاتا ہے۔ پن بجلی کی لاگت 2 روپے فی یونٹ بنتی ہے جب کہ تھرمل بجلی کی لاگت 14 روپے فی یونٹ ہے۔

گیس/فرنس آئل سے بجلی کی پیداوار: گیس یا فرنس آئل سے چلنے والے پلانٹ میں کمپریسر کے ذریعے دو سو سے تین سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا کو بہت بڑے خانہ میں بھیجا جاتا ہے، پھر ایندھن جلا کر ہوا کو ایک ہزار سے بارہ سو سینٹی گریڈ تک گرم کیا جاتا ہے۔ گرم ہوا تھرمل ٹربائن کے پنکھوں کو چار سو سے ساڑھے پانچ سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھماتی ہے، اس حرکی توانائی کو جنریٹر بجلی میں تبدیل کر دیتا ہے جو نیشنل گرڈ اسٹیشن میں شامل ہونے کے بعد عام صارفین تک پہنچتی ہے۔

پاکستان میں تیل کے ذخائر سطع مرتفع پوٹوہار، کھوڑ، ڈھلیاں، کوٹ میال، ضلع اٹک میں سارنگ، ضلع چکوال میں بالکسر، ضلع جہلم میں جویامیر اور ڈیرہ غازی خان میں ڈھوڈک اور سندھ میں بدین، حیدرآباد، دادو اور سانگھڑ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ گیس کے وسیع ذخائر ہیں۔ پاکستان میں قدرتی گیس سب سے پہلے 1952ء میں بلوچستان میں ڈیرہ بگٹی کے قریب سوئی کے مقام پر دریافت ہوئی۔ اس کے بعد سندھ اور پوٹوہار سمیت 13 مقامات سے دریافت ہوئی۔ گیس کے ذخائر کے اہم مقامات بلوچستان میں سوئی، اُچ اور زَن، سندھ میں خیر پور، مزرانی، سیری، ہنڈی اور کندھ کوٹ اور پنجاب میں ڈھوڈک، پیرکوہ، ڈھلیان اور میال شامل ہیں۔

پاکستان میں تیل اور گیس دریافت کرنے والی کمپنیوں نے حالیہ مہینوں میں سب سے زیادہ دریافت کی ہیں۔ ان کمپنیوں کو چھ کنوؤں میں نئے ہائڈروکاربن ڈپازٹ ملے ہیں جس سے موجودہ ذخائر میں 50.1

ملین کیوبک فٹ گیس اور 2359 بیرل تیل فی دن کا اضافہ ہوگا۔ چھ میں سے چار دریافت سندھ جب کہ دو خیبر پختونخواہ میں ہوئی ہیں۔ ملک کی توانائی کا تقریباً 35 فیصد قدرتی گیس سے پورا ہوتا ہے۔

کوئلے اور ایٹمی ری ایکٹر سے بجلی کی پیداوار: کوئلے کے پلانٹ اور ایٹمی ری ایکٹر سے بجلی بنانے اور ایندھن جلانے کے طریقہ کے فرق کے علاوہ دونوں میں ایک طرح سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ پہلے بہت بڑے خانہ میں پانی جمع کیا جاتا ہے، (ایٹمی ری ایکٹر میں بھاری پانی کا استعمال کیا جاتا ہے) پھر یورینیم یا کوئلے کو جلا کر پانی کو بھاپ میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ بھاپ پائپوں سے گزرتی ہوئی اسٹیم ٹربائن کے پنکھوں کو گھماتی ہے جسے جنریٹر بجلی میں بدل دیتا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس طریقہ میں بھاپ کے لئے فضا میں شامل ہونے کا راستہ نہیں ہے، یہ مختلف پائپوں سے بار بار گزرتی ہے اور مسلسل بجلی بناتی ہے۔ پاکستان میں کوئلے سے اگلے آٹھ سو سال تک 50 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہاں بڑے پیمانے پر کوئلے کے ذخائر ہیں جن کی کل مالیت پچیس کھرب ڈالر بنتی ہے۔ کوئلے سے بجلی پر سالانہ چھ ارب ڈالر تیل کی بچت ہوگی۔ ذخائر خوشاب، چکوال، میانوالی اور تھر میں ہیں۔

پاکستان کے ارضیاتی مطالعہ کے مطابق تھر میں کوئلے کے ذخائر تقریباً 175 بلین ٹن ہیں جو دنیا بھر میں سب سے بڑا بھورے کوئلے کا ذخیرہ ہے۔ تھر میں کوئلے کے ذخائر سے استفادہ سے بجلی کی پیداوار کے ساتھ ملک کا درآمد شدہ کوئلے پر انحصار کم ہوگا۔

ایٹمی ٹیکنالوجی: 1972ء میں کراچی میں پاکستان کی تاریخ کا پہلا ایٹمی بجلی گھر کینوپ فعال ہوا جس سے ایک ہزار میگاواٹ بجلی حاصل کی جاتی ہے جو کم ہے۔ پاکستان ایٹمی مواد کی افزودگی (enrichment) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سستی اور وافر بجلی کے لئے پن بجلی کے بعد یہ بہترین آپشن ہے۔ جوہری توانائی کی مدد سے تھرمل پاور کی نسبت 35 فی صد سستی بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔

پون بجلی: ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا اصول سادہ ہے۔ عام طور پر تیس سے ستر کلومیٹر فی گھنٹہ سے چلنے والی ہوا پون چکی سے بجلی پیدا کرنے کے لئے بہترین سمجھی جاتی ہے۔ اس رفتار سے گھومنے والے پنکھے چکی میں لگی ٹربائن سے صلاحیت کے مطابق بجلی پیدا کرتے ہیں جو قریبی علاقوں کی ضرورت کے لئے کافی ہے۔ عام پون چکی سے 22 کلوواٹ بجلی بنائی جاسکتی ہے۔ اسے لگانے کے لئے اڑتالیس سے پینسٹھ لاکھ روپے درکار ہوتے ہیں۔ ونڈ ٹیکنالوجی کو نظر انداز کیا جارہا ہے حالاں کہ یہ سولر سے بہتر آپشن ہے۔ ٹھٹھہ کے قریب انرجی کوریڈور قرار دیئے گئے علاقہ میں ونڈ فارمز کی تنصیبات جاری ہیں اور آؤٹ پٹ

تقریباً ڈیڑھ سو میگاواٹ ہے۔ پاکستان میں ہوا سے تقریباً اٹھاون ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔

شمسی توانائی: اس سلسلہ میں کئی دہائیوں سے تحقیق اور پیش رفت جاری ہے۔ اس وقت سولر پینل شمسی توانائی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے، گلاس اور سلیکون کے آمیزہ سے فوٹو وولٹک سولر پینل تیار کیا جاتا ہے جو سورج کی روشنی سے الیکٹرانز کو علیحدہ کر کے پینل سے منسلک تانبے کی تاروں کا چارج منفی کر دیتا ہے، جس سے ان میں بجلی دوڑنے لگتی ہے۔ عموماً اس بجلی کو بیٹری میں ذخیرہ کرنے کے بعد انورٹر کے ذریعے صارفین کے لئے قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ دن کے اوقات میں تیس سے چالیس سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں 5×7 فٹ کے دس پینلز سے پانچ کلو واٹ تک بجلی پیدا کی جاسکتی ہے اور چار، ساڑھے چار لاکھ روپے لاگت آتی ہے۔

کیلی فورنیا میں دنیا کے سب سے بڑے سولر منصوبہ کی دو برس قبل تکمیل سے 550 میگاواٹ بجلی پیدا کی جارہی ہے۔ پاکستان میں بہاولپور میں شمسی توانائی کا سب سے بڑا منصوبہ قائداعظم سولر پارک ہے جس سے 1300-1000 میگا واٹ بجلی پیدا کی جاسکے گی۔ فی الحال پیداوار 100 میگا واٹ ہے۔ پاکستان میں شمسی توانائی سے سات لاکھ میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس سے گرم پانی بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ایسے گیزر مارکیٹ میں آچکے ہیں جو شمسی توانائی کی مدد سے پانی گرم کرتے ہیں۔ بجلی کی پیداوار کے لئے اوسطاً 10 گھنٹے کی روشنی درکار ہے جب کہ پاکستان میں اوسطاً 16 گھنٹے شمسی توانائی دستیاب ہے اور صرف آٹھ گھنٹے ضرورت ہوتی ہے۔ شمسی توانائی سے حاصل ہونے والی بجلی انتہائی سستی ہے۔

جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر پاکستان میں شمسی اور پون بجلی کے وسیع آپشن موجود ہیں جو بہت کم قیمت پر بلاتعطل توانائی فراہم کر سکتے ہیں۔ دنیا میں تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر تیزی سے کم ہو رہے ہیں، متبادل ذرائع تلاش کرنا ہوں گے۔ ماہرین کے خیال میں مستقبل میں پانی کے بعد ہوا اور سورج سے توانائی کی زیادہ تر ضرورت پوری کی جائے گی۔

کچرے سے بجلی پیدا کرنا: دنیا بھر میں کچرے کو استعمال میں لانے کے لئے 850 پلانٹ لگائے گئے ہیں۔ پاکستان میں ہر گھر سے اوسطاً تین کلو کچرا یومیہ جب کہ مجموعی طور پر تقریباً 55 ہزار ٹن کچرا نکلتا ہے۔ ایک ٹن کچرے سے تقریباً پانچ سو کلو واٹ بجلی یا تقریباً 265 لیٹر ایتھنول ایندھن بنتا ہے۔ اس طرح قریباً 27000 میگاواٹ بجلی حاصل ہوسکتی ہے۔

شوگر ملز کے گنے کے فضلے سے بجلی پیدا کرنا:

پاکستان میں اس وقت 90 شوگر ملیں ہیں۔ گنے کے فضلے سے فی ٹن 60 کلو واٹ بجلی حاصل ہوسکتی ہے جس کا کچھ حصہ پلانٹ کو رواں رکھنے میں کام آتا ہے۔

جیوتھرمل انرجی: زمین کی اندرونی حرارت سے انرجی کا حصول جیوتھرمل انرجی کہلاتا ہے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ زمین میں دو سوراخ کر کے ایک سے پانی کو پمپ کیا جاتا ہے، دوسرے سے بھاپ زمین پر آتی ہے جس سے ٹربائن چلتا ہے۔ جیوتھرمل توانائی سے بجلی کی پیداوار، عمارتوں کو گرم کرنے، آبی پودوں کی کاشت اور گرین ہاؤس کے کام لئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ آتش فشاں پہاڑوں کے نزدیک زیادہ کارآمد ہے۔ ملک فلپائن 27 فی صد جب کہ آئس لینڈ 30 فی صد بجلی اس سے حاصل کرتا ہے۔ یہ پن بجلی سے سستی ہے۔

توانائی کا بحران ختم کرنے کے لیے دریاؤں پر ڈیم بنا کر ان پر ہائیڈرو پاور بجلی گھر تعمیر کئے جاسکتے ہیں۔ پانی سے بجلی پیدا کرنے کے بڑے اور چھوٹے پلانٹس لگا دیئے جائیں تو 50 ہزار میگاواٹ سے زائد بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ فی الوقت اس سے صرف سات ہزار میگا واٹ بجلی پیدا کی جارہی ہے۔

ہمارے دریاؤں میں پانی کی روانی سال کے 365 دن نہیں ہوتی۔ بجلی کی پیداوار مئی تا اکتوبر پوری استطاعت کے ساتھ ہوتی ہے مگر نومبر تا اپریل کمی واقع ہوجاتی ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈیموں سے پانی کا اخراج زراعت کے لئے محکمہ آب پاشی کی طلب پر ہوتا ہے۔ ڈیموں میں سے پانی خارج کیا جائے گا تو بجلی کی پیداوار بھی ہوگی۔ اوپر بہاؤ پر ڈیموں میں سے پانی خارج ہوگا تو یہ پانی نیچے بہاؤ پر بنے ہوئے ہائیڈرو پاور کو چلاتے ہوئے مزید نیچے رواں ہوگا۔ اس طرح ایک دریا کی روانی پر بہت سارے ڈیم اور ہائیڈرو پاور تعمیر کرنے کی صورت میں دریا کا پانی ایک نظم کے تحت رواں رکھنا ممکن ہوگا۔ اضافی پانی ڈیم اور ہائیڈرو پاور کی جھیلوں میں روکا جاسکے گا جو پانی کے کم بہاؤ کے موسم میں زراعت کے لئے مہیا ہوگا۔ اس طرح ملک میں سیلابوں سے بچا جاسکتا ہے۔ دریاؤں پر ڈیموں اور ہائیڈرو پاور نہ ہونے کی وجہ سے بارانی موسم میں تباہ کن سیلاب آتے ہیں اور گندم کی فصل کے موسم میں قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ماہر معاشیات کے خیال میں تیل اور قدرتی گیس سے بجلی کی پیداوار پر زیادہ سے زیادہ انحصار کی پالیسی نے موجودہ بحران کو جنم دیا ہے۔ تیز تر ملکی ترقی کے لئے ملکی ضرورت کی نصف سے زائد بجلی پانی سے پیدا کرنا ضروری ہے لیکن موجودہ تناسب اس سے بہت کم ہے۔

تقفس کا راگ

یہ پرندہ ہزار سال میں ایک دفعہ مستی میں آ کر لکڑیاں جمع کرتا ہے اور اس ڈھیر پر پروں کو پھڑ پھڑا کر گانا گاتا ہے۔ راگ الاپنے سے آگ نکلتی ہے۔ تقفس بے خودی میں اسی آگ میں جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ پھر اس راکھ پر پانی گرتا ہے۔ پانی سے راکھ انڈا بنتی ہے اور انڈے سے دوسرا تقفس پیدا ہوتا ہے۔

ندا حامد

خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے، دریا کہاں ہے

اس کہانی نما مضمون میں کئی راز بیان ہوئے ہیں۔ خواتین وحضرات قارئین! مضمون پڑھیں اور ان سوالات کو ڈھونڈیں جو کہانی کے پردہ میں لکھے گئے ہیں۔ میٹرک کے طالبات وطلبا بھی اس ریسرچ میں حصہ لے سکتے ہیں۔

مچھلی کی زندگی پانی ہے۔ مچھلی پانی میں رہتی ہے۔ جس طرح ہمارا تسلسل اسلاف سے ہے، مچھلی بھی اپنی فیملی کی ایک فرد ہے۔ مچھلی پانی میں کھاتی ہے، پیتی ہے، جاگتی ہے، سوتی ہے، رزق تلاش کرتی ہے اور زندگی کے تمام امور سرانجام دیتی ہے۔ اس مضمون کا مرکزی کردار ''سنہری مچھلی'' ہے۔

وسیع وعریض سمندر میں ہر طرف تاریکی تھی۔ جب کہ سنہری مچھلی گہری نیند میں تھی۔ خواب میں دیکھا کہ وہ پانی سے باہر ہوا میں اڑ رہی ہے اور دور دراز وادیوں اور کہساروں کا سفر کر رہی ہے۔ وہاں اس کی ملاقات اپنے عزیزوں سے ہوتی ہے جن سے ملے برسوں بیت گئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ بچے جوان اور جوان بوڑھے ہوگئے ہیں۔ ان سے رخصت لے کر وہ آگے بڑھی، عجائبات کی سیر کی، سمندر کے باہر کی دنیا کا رہن سہن دیکھا اور کھانے پینے سے لطف اندوز ہوئی۔

آنکھ کھلی تو خود کو سمندر میں پایا۔ محسوس ہوا کہ آزاد دنیا سے قید میں آگئی ہے۔ اردگرد مچھلیاں جاگی ہوئی تھیں۔ انہیں بتایا کہ میں نے نیند کی دنیا میں خود کو پانی سے باہر دیکھا اور خشکی کی دنیا کی سیر کی۔ کون کہتا ہے کہ پانی سے باہر مچھلی مرجاتی ہے۔ دیکھ لو میں باہر کی دنیا دیکھ کر آئی ہوں اور دور دراز مقامات کی سیر کی ہے۔ ان رشتہ داروں سے ملی جن سے ملاقات ہوئے برسوں بیت گئے تھے۔ خود کو آزاد محسوس کیا لیکن اب جاگ کر لگتا ہے کہ میں قید میں آگئی ہوں۔

دیگر مچھلیوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر سنہری مچھلی سے کہا، جتنی دیر تم سوئیں، ہماری نظروں کے سامنے تھیں، ہم نے تمہیں یہاں سے کہیں جاتے نہیں دیکھا۔ تم پانی سے باہر کیسے نکل سکتی ہو، باہر تو موت ہے۔ جو پانی سے باہر جاتا ہے، واپس نہیں آتا، مرجاتا ہے۔ ہماری زندگی پانی ہے۔ پانی سے باہر نکلنے والی مچھلیاں واپس نہیں آتیں۔

مچھلیاں کسی طور ماننے کو تیار نہیں تھیں کہ سمندر سے

باہر بھی زندگی ہے۔ ہر وقت پانی میں رہنے اور محدود رقبہ کو دنیا سمجھنے سے وہ نیند کی دنیا میں بھی خود کو پانی میں دیکھتی تھیں۔ جب کہ سنہری مچھلی کا ذہن مختلف تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ جو مچھلیاں پانی سے باہر چلی جاتی ہیں یا غائب ہو جاتی ہیں، وہ کہاں پر ہیں اور واپس کیوں نہیں آتیں۔ اب جب خواب میں دوسری دنیا دیکھی اور آزادی کا لطف اٹھایا تو احساس ہوا کہ یہاں سے چلے جانے والے واپس کیوں نہیں آتے۔

سنہری مچھلی نے انہیں یقین دلایا کہ باہر بھی دنیا ہے اور وہاں مچھلیاں زندہ ہیں، آزاد ہیں، جہاں چاہیں، خیال کی رفتار سے پہنچ جاتی ہیں۔ میں نے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ کا سفر کیا ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جس پانی کو میں زندگی سمجھتی ہوں وہ پردہ ہے۔ پردہ سے پرے زندگی حسین ہے اور اس بات کا خوف بھی نہیں ہوتا کہ بڑی مچھلی کھا لے گی۔ وہاں خوف اور غم نہیں ہے، سب خوش رہتے ہیں۔

مچھلیوں نے سنہری مچھلی کو بے یقینی سے دیکھا۔ ایک نے کہا، جو تم نے دیکھا وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا—؟ ہم نے ہمیشہ خود کو پانی میں دیکھا ہے، پھر تمہاری بات کا یقین کیسے کریں۔

سنہری مچھلی بولی، اس کے لئے تمہیں نیند کی دنیا میں داخل ہونا ہوگا۔ انہوں نے کہا، ہم روز سوتے ہیں۔ اب اس کے بعد کس طرح نیند کی دنیا میں داخل ہوں—؟

پوچھا، کیا تم نے سوتے ہوئے خود کو پانی میں ایک آن میں دوسرے مقام پر پہنچتے دیکھا ہے—؟

انہوں نے جواب دیا، ہاں! ایک لمحہ سطح پر تو دوسرے لمحہ تہ میں ہوتے ہیں۔ باغات کی سیر کرتے ہیں، پھر کوئی بڑی مچھلی آجاتی ہے اور ہم پتھروں میں، غاروں میں یا دوسرے محفوظ مقامات پر چھپ جاتے ہیں۔ بعض مچھلیاں شکار بن جاتی ہیں۔

سنہری مچھلی نے پوچھا، اور جاگنے کے بعد—؟

وہیں ہوتے ہیں، جہاں سوئے ہوئے تھے۔

وہ بولی، میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ سونے کے بعد ہماری رفتار بدل جاتی ہے اور جو سفر گھنٹوں میں طے ہوتا ہے وہ لمحہ سے بھی کم وقت میں طے ہو جاتا ہے۔ جو تم چاہتی ہو، کھا لیتی ہو، بڑی مچھلی آتی ہے، کوئی بچ جاتا ہے اور کوئی اس کے منہ میں چلا جاتا ہے لیکن جاگنے کے بعد سب زندہ ہوتے ہیں، وہ بھی جو بڑی مچھلی کے پیٹ میں جا چکا تھا۔ جب وہ مچھلی مر گئی تھی تو پھر زندہ کیسے ہو گئی—؟

مچھلیوں کے تاثرات بدل گئے، چہروں پر حیرت تھی۔

سنہری مچھلی بولی، اس لئے کہ وہاں کی دنیا الگ اور یہاں کی الگ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مرنے والی مچھلی نے اگلے روز اس دنیا میں خود کو دوبارہ زندہ دیکھا۔ کیوں—؟

سنہری مچھلی کی باتوں سے مچھلیوں کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی لیکن جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

اگر یہاں تمہیں بڑی مچھلی کھا جائے تو تمہارا وجود

دوبارہ کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔ لیکن اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ کبھی سوچا ہے کیوں؟ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

ایک بولی، مگر ہم نے کبھی خود کو پانی سے باہر نہیں دیکھا۔

سنہری مچھلی نے کہا، اس لئے کہ تمہارا ذہن ہر وقت پانی میں رہتا ہے۔ جس طرح بلی کو خواب میں چھچھڑے نظر آتے ہیں، تمہیں بھی ہر جگہ پانی اور جو کچھ یہاں تمہارے ساتھ ہوتا ہے، وہی نظر آتا ہے۔ خواب میں وہی شے زیادہ نظر آتی ہے جس کے نقوش گہرے ہوں۔ تم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ پانی سے باہر بھی دنیا ہے!

سنہری مچھلی اس سمندر کی فرد تھی لیکن خواب کی دنیا دیکھنے اور جاننے کے بعد اپنا وجود اس خاندان کے بجائے دوسری دنیا سے وابستہ معلوم ہوتا۔ مچھلیوں میں اس کی باتیں پھیل گئیں۔ چند مچھلیوں نے مذاق اڑایا اور بعض نے پاگل کہنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بڑے سمندر میں خود کو تنہا محسوس کیا لیکن اندر سے بہت پرسکون تھی۔

پانی میں ہوتے ہوئے، وہ پانی سے باہر رہتی تھی۔ اس نے پانی میں رہتے ہوئے پانی کا ترک کر دیا تھا۔ ذہن کو یک سو کرتی اور خیال میں گم ہو جاتی۔

وقت گزرا اور مچھلی کی باتیں دور دور تک پھیلنے لگیں۔

سات مچھلیوں کا گروہ دوسرے سمندر سے سنہری مچھلی کی باتیں سن کر ملاقات کے لئے آیا۔ ان کے ذہن میں سوالات تھے۔

مسافر مچھلیوں میں سے ایک نے پوچھا، میں نے سنا ہے کہ آپ خواب کو زندگی کا حصہ کہتی ہیں؟

بالکل! خواب آدھی زندگی ہے۔ دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جسے نیند نہ آتی ہو۔ صرف خالق کائنات کی ذات ہے جسے نیند آتی ہے نہ اونگھ!

ان میں سے ایک بولی، خواب کی دنیا کیا ہے ــــ؟

وہی جو یہ دنیا ہے۔ یہاں اور وہاں تقاضے ایک ہیں۔ جس طرح جاگتے ہوئے ہم کھاتے ہیں، پیتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، ہمارے بچے ہوتے ہیں، عزیز رشتہ داروں سے ملتے ہیں، سیر و تفریح کرتے ہیں اسی طرح خواب کی دنیا بھی زندگی سے بھرپور ہے۔

مسافر مچھلیوں کی آنکھیں سنہری مچھلی کی باتیں سن کر روشن ہو گئیں۔ لگتا تھا کہ یہ غور و فکر کرنے والی مچھلیاں تھیں اور راستہ سے واقف راہ نما کی تلاش میں تھیں۔

ایک مسافر مچھلی گویا ہوئی، ہمارا گروہ کافی وقت سے ایسے استاد کی تلاش میں ہے جو ہمارے سوالات کا جواب دے سکے۔ آپ کے بارے میں علم ہوا تو سات سمندر پار کر کے یہاں تک پہنچی ہیں۔

سنہری مچھلی نے ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور بولی، دوستو! ہم سوتے ہوئے جاگتے ہیں اور جاگتے ہوئے سوتے ہیں۔ ہر شخص غفلت میں ہے جب تک کہ حقیقت کو تلاش نہیں کر لیتا۔ نیند کی دنیا حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے لیکن جو لوگ غور نہیں کرتے، وہ اس دنیا میں داخل ہو کر بھی غفلت میں رہتے ہیں۔

یہ باتیں پہلے میرے لئے بھی مختلف تھیں لیکن میں نے تفکر کیا، اللہ تعالیٰ نے مدد کی، وقت کے ساتھ حقائق سامنے آتے گئے اور اب میں خود کو پہچاننے لگی ہوں۔ ہر بات بتائی نہیں جاسکتی۔ یہ وہ راستہ ہے جہاں پہنچ کر ہر کوئی خاموش ہوجاتا ہے۔ صرف وہی بات کرتا ہے جس کو کسی کی راہ نمائی اور تربیت پر مقرر کیا گیا ہو۔ اور وہ بھی اتنی ہی بات بتاتا ہے کہ ذہن بن جائے۔۔۔ اس کے بعد مشاہدہ ہوتا ہے۔

مسافر مچھلیوں نے پوچھا، کیا ہم سب خواب کی دنیا سے واقف ہوسکتی ہیں؟

سنہری مچھلی بولی، کیوں نہیں! اس راستہ پر چلنے والے بزرگ بتاتے ہیں کہ تمام مخلوقات دو رخوں پر زندگی گزار رہی ہیں۔ تم بھی دو رخوں میں زندہ ہو۔ اِس رخ میں رہتے ہوئے اُس رخ سے واقف ہوجاؤ۔

کیسے۔۔۔؟ سنہری مچھلی کی بات نے دل پر اثر کیا۔

دوستو! خواب کی دنیا سے واقف ہونے کی مشقیں ہیں۔ مشق کرنی ہے تو چلو آؤ بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کرتے ہیں اور تصور کرتے ہیں کہ ہر طرف روشنی ہے، ہم اس روشنی میں بھیگ چکے ہیں۔ روشنی کو دیکھنا نہیں ہے، محسوس کرنا ہے۔

آنکھیں بند کیں، تھوڑی دیر بعد دوسری دنیا روشن ہوگئی۔ لگتا تھا کہ توجہ روشنی کا کردار ادا کرتی ہے۔ توجہ نہ ہو تو بڑی سے بڑی چیز نظر نہیں آتی اور متوجہ ہوں تو چھوٹی سے چھوٹی چیز کے بارے میں جان لیتے ہیں۔ سب نے مشق کے بعد خود کو توانا اور پرسکون محسوس کیا۔

پوچھا کہ اس مشق کا نام کیا ہے؟

سنہری مچھلی نے بتایا کہ اسے ''مراقبہ'' کہتے ہیں جس میں ہم جاگتے ہوئے سونے کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ مسافر مچھلیوں نے کہا، بہت دل چسپ مشق ہے لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کیسے ہوا؟ توجہ قائم رکھنے میں مشکل ہوئی لیکن محسوس کیا کہ ہم پر روشنی برس رہی ہے اور ہم پرسکون ہوگئے۔

یہ بات سن کر سنہری مچھلی بہت خوش ہوئی اور کہا، جب ہم خیال میں بے خیال ہونے کی مشق کرتے ہیں تو ابتدا میں ذہن عادی نہیں ہوتا۔ بیداری میں بھی کسی کام کو کرنے کا یہی قانون ہے۔ تم میرے پاس بہت دور سے آئی ہو۔ یہاں تک پہنچنے کے دوران ذہن دوسری طرف متوجہ ہوجاتا تو تم یہاں نہیں آسکتی تھیں، راستہ بدل جاتا۔ تم سب نے اپنے اندر کی آواز کو سنا ہے، حقیقت سے واقف ہونے کے لئے ہزاروں میل سفر کرکے یہاں تک پہنچی ہو۔ اللہ تم سب کو منزل مقصود تک پہنچائے۔ سب نے ایک آواز میں آمین کہا۔

سنہری مچھلی بولی، ساتھیو! ذہن کو ایک خیال میں مرکوز رکھنے کی عادت جاگنے کی حالت میں تو ہے مگر اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ہم اس عادت کو مثبت کاموں میں استعمال نہیں کرتے۔ پریشانی اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ

ذہن پریشانی اور خوف میں یک سو ہوجاتا ہے۔ جس شے پر توجہ کرتے ہیں، وہ کھل جاتی ہے۔ اگر اس عادت کو اللہ کی نشانیوں میں غور کرنے میں استعمال کریں تو اپنے اندر بے شمار صلاحیتوں سے واقف ہوجائیں گے۔

ایک نے پوچھا، مراقبہ میں ہم نے آنکھیں بند کیں تو پھر کس طرح دیکھا اور کس نے دیکھا؟

دوستو! جس طرح جاگنا اور سونا زندگی کے دو رخ ہیں اسی طرح دیکھنے کے بھی دو رخ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بیداری میں ہم دیکھ رہے ہیں، یہ سوچ غلط ہے، اس سے نظر محدود ہوجاتی ہے۔ ایک آنکھ ہمارے اندر ہے، وہ دیکھتی ہے۔ اسی لئے آنکھیں بند ہونے کے باوجود بھی ہمیں اندر کی دنیا نظر آتی ہے۔ ہم نیند اور بیداری دونوں میں اندر کی آنکھ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔ غور کرو! تم جس شے کے بارے میں سوچتے ہو اس کی تصویر کہاں بنتی ہے—؟

سب نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا، دماغ میں۔

سنہری مچھلی بولی، دماغ اسکرین کا کام انجام دیتا ہے۔ اسکرین پر وہی تصویریں آتی ہیں جس جانب ہماری توجہ ہوتی ہے یا جس کی ہم تکرار کرتے ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اسم یا حی یا قیوم کی تکرار کی جائے تو اللہ کے ذکر سے ہمارے ذہن کی اسکرین شفاف ہوتی ہے اور انوار کی بارش ہوتی ہے۔

ان میں چھوٹی مچھلی سب سے ذہین تھی، اس نے کہا،

اگر سب کچھ اندر ہے تو پھر پردہ کیسا اور کیوں ہے—؟

سنہری مچھلی نے چھوٹی مچھلی کو پاس بلایا اور ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا کہ سوال بہت اہم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کی جاتی ہے تو نعمتیں پردہ میں چلی جاتی ہیں۔ نافرمانی یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہمارا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، کفیل ہے، حفاظت کرتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے لیکن ان سب کے باوجود ہم اللہ کے لئے زندگی نہیں گزارتے اور نہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ کو یاد کریں، اس تک پہنچنے کے لئے جدوجہد کریں تو پردہ ہٹ جائے گا۔ اللہ سے قربت کا ذکر اور کوتاہی کے احساس سے تمام مچھلیوں کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ سب نے سنہری مچھلی سے وعدہ کیا کہ وہ ان باتوں پر عمل کریں گی، اللہ کے لئے جئیں گی، اللہ کے لئے مریں گی، اللہ سے ربط قائم کریں گی اور اللہ کے لئے ایثار کریں گی۔

عہد کیا ہی تھا کہ سمندر میں نور کا جھماکا ہوا اور دور دور تک روشنی پھیل گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ مچھلیوں کے دل روشن ہوگئے ہیں اور وہ عشق و محبت کے جذبہ سے سرشار ہیں— اللہ تعالیٰ کی محبت نے ان کا احاطہ کرلیا ہے۔ یہ دیکھ کر سنہری مچھلی نے گداز سے بھرپور، پرسوز آواز میں کہا،

وہی اصل مکان و لامکاں ہے
مکاں کیا شے ہے انداز بیاں ہے
خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے، دریا کہاں ہے

بنیادی کردار نظر آتا ہے۔ پانی و مٹی کا آمیزہ جسے مسالا کہہ سکتے ہیں، کمہار کا ذہن و ہاتھ اور تیسرا گھومنے والا چک۔ کہا جاسکتا ہے کہ صراحی کی تیاری میں کمہار کے ذہن میں پروگرام ہاتھ کے ذریعے مٹی کے لوندے پر نشر ہوتا رہا اور چک کی محوری گردش سے پروگرام کے مطابق نقش و نگار اور خدوخال منتقل ہوئے۔

کمہار کے ذہن میں پروگرام کے اندر کیا تھا؟

آسان جواب یہ ہے کہ پروگرام میں صراحی کے خدوخال کی مختلف مقداریں تھیں یا صراحی کی ماہیت (specification) اور تصویر تھی۔ انگلیوں اور پوروں کی حرکات نے ذہن سے نکلنے والی لہروں کو صراحی کے نقش و نگار میں ڈھال دیا۔ لہروں میں صراحی کی تفصیلات چھپی ہوئی تھیں۔ تفصیلات میں جہاں انگلیوں کی افقی و عمودی حرکات کی مقداریں موجود تھیں وہیں پوروں میں دباؤ کا تناسب بھی تھا۔

خاک و آب کا آمیزہ صراحی میں ڈھلا تو بھٹی میں آگ کی مناسب تپش اور ہوا کے ہلکے جھونکوں نے صراحی میں مضبوطی اور پائیداری پیدا کی۔ پورے عمل کو تخیل میں بڑے کینوس پر دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض پر موجود خاک، آب، آگ اور ہوا کے مخصوص تناسب سے مٹی کی صراحی لاموجود سے وجود میں آگئی۔ یہ مخصوص تناسب کمہار کے ذہن میں پروگرام تھا۔

ہمارے اردگرد جو بھی اشیا ہیں ان کی پیدائش میں یہی تین ایجنسیاں فعال نظر آتی ہیں یعنی مسالا، پروگرام اور گردش۔ طبی سائنس آدمی کا تجزیہ کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ اوسطاً ستر کلوگرام کا فرد پچاس لیٹر پانی، اٹھارہ کلو کاربن، چند کنستر نائٹروجن، دو ہزار ماچس کی تیلیوں کے برابر فاسفورس، ایک کیل برابر لوہا اور چند دوسرے عناصر سے مرکب ہے۔

غور کریں تو کاربن، فاسفورس، کیل اور دیگر عناصر کا تعلق مٹی سے ہے، نائٹروجن کا تعلق ہوا سے ہے جب کہ پانی کو آب کہتے ہیں۔ جسمانی تپش چوں کہ علم کیمیا کے بنیادی عناصر کی فہرست میں نہیں اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صراحی ہو یا واٹر ڈسپنسر کی مینو فیکچرنگ، ماہرین کہتے ہیں کہ تیاری میں پروگرام، مسالا اور گردش کا کردار ہے۔

آدمی کی تیاری یا پیدائش پر غور کریں تو بنیادی مسالا ایک ''بوند'' یعنی اسپرم ہے۔ نامعلوم مقام سے اطلاعات نشر ہوتی ہیں، پروگرام اسپرم میں داخل ہوتا ہے اور اسپرم پہلے لمحہ سے کم و بیش 9 مہینے تک گردش میں رہتا ہے۔ دھاتی مشینیں اسی طرز پر تیار ہوتی ہیں، پگھلے ہوئے لوہے (یعنی آب، مٹی اور آگ) میں پروگرام کے مطابق الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہے۔ تمام مسالا ہمہ وقت گردش کرتا ہے تاکہ آمیزہ مطلوبہ نقش و نگار کے مطابق ہر طرف برابر تقسیم ہو۔ پھر پانی کی پھوار اور ہوا سے نقوش میں پختگی لائی جاتی ہے۔ لوہے کی

چادریں، عظیم الجثہ کرین کے لیور اور ننھی پیپر پن بھی اسی طرز پر تیار کی جاتی ہے۔

بیسویں صدی کے برعکس آج کا زمانہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا عروج بتایا جاتا ہے — تیز رفتاری سے انفارمیشن تک رسائی ہے، پراسیسنگ ہے اور اس پر عمل درآمد ممکن ہے۔ بٹن دبائیں تو سرچ انجن گوگل پر انفارمیشن اور ان کے اطلاق کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ان ذرائع سے پروگرام یا گردش کے میکانزم سے متعلق تحقیقی لٹریچر تلاش کریں تو کہیں پر کسی بھی سائنسی آرٹیکل، تحقیق (ریسرچ)، وائٹ پیپرز یا اعلیٰ تعلیمی مقالوں میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

کمپیوٹر سائنس سے منسلک خواتین وحضرات کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ ایم ایس ورڈ میں کی بورڈ پر ٹائپ کرتے ہیں تو کمپیوٹر میں موجود پروگرام کے ذریعے ٹائپ کیا گیا ٹیکسٹ مانیٹر (اسکرین) پر دکھائی دیتا ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب آدمی نے کمپیوٹر میں ''پروگرام'' کی بنیادی حیثیت اور اہمیت کو سمجھ لیا تو وہ اپنی تحقیق میں ''نظام قدرت کے پروگرام'' کے تذکرہ کو کیوں نظرانداز کردیتا ہے؟

فی زمانہ کمپیوٹر کم وبیش ہر گھر میں ہے چاہے وہ لیپ ٹاپ ہو یا پھر موبائل فون۔ پروگرام کے تناظر میں قارئین کے ذہن میں سوال آ سکتا ہے کہ کمپیوٹر میں پروگرام کے مظاہرہ کے لئے مسالا اور گردش کے نظام کا کیا کردار ہے؟ آپ بھی سوچیں، دوستوں کو شامل کریں اور حاصل بحث ارسال کردیں۔

میڈیکل اور بائیولوجی سے متعلق ماہرین آدمی کو کاربن، نائٹروجن، پانی، لوہے اور دیگر عناصر کی ترکیب بتاتے ہیں۔ عام فرد یہ پوچھ سکتا ہے کہ پھر آدمی کو فیکٹری میں کیوں نہیں بنایا جاسکتا—؟ اگر وہ کلوننگ کو بطور مثال پیش کریں تو نظر آتا ہے کہ کلوننگ کے عمل میں وہ نظام قدرت سے اخذ شدہ پروگرام، نامعلوم گردشی عوامل اور قدرتی مسالا (اسپرم) استعمال کرتے ہیں۔ اسپرم میں بیج قلم یا شاخ سب شامل ہے۔

جینیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ وہ سر کے بال سے اسپرم بنا سکتے ہیں۔ اس دعویٰ میں کتنی حقیقت ہے، نہیں معلوم مگر ماہرین کے کیمیائی ترکیب کے دعویٰ کی روشنی میں کوئی پوچھ سکتا ہے کہ وہ آدمی کا اسپرم کاربن، نائٹروجن، پانی یا لوہے سے کیوں نہیں اخذ کرسکتے؟

یہ سوالات آدمی کی کیمیائی ترکیب پر ہی نہیں اٹھتے بلکہ آپ پانی کی بتائی جانے والی ترکیب کا بھی جائزہ لے سکتے ہیں۔ کیمیادان اور طبیعات دان بتاتے ہیں کہ

پانی = ایک آکسیجن ایٹم + دو ہائیڈروجن ایٹم

اگر ایسا ہے تو فیکٹری میں ایک آکسیجن اور دو ہائیڈروجن کو ملا کر پانی کیوں نہیں تیار کیا جاسکتا۔ اگرچہ پانی بنانے کی کوششیں جاری ہیں تاہم ایسی مثال نہیں ملتی کہ فیکٹری یا لیب میں ایک آکسیجن ایٹم

اور دو ہائیڈروجن ایٹم کے ملاپ سے پانی بنانا ممکن ہوا ہو۔ تجربات کے نتیجہ میں جس شے کو پانی کہا جارہا ہے وہ پانی نہیں ہے۔

قدرتی پانی حاصل کرنے کے لئے دو سو فٹ سے پانچ سو فٹ تک بورنگ کی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں سمندری پانی کی desalination کی مدد سے پانی تیار کیا جاتا ہے۔ سمندری پانی کی تیاری میں سائنس دانوں کا کوئی کردار نہیں اور پھر اس عمل سے جو پانی تیار ہوتا ہے وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا، زیادہ تر دھلائی، صفائی اور دیگر صنعتی استعمال میں لایا جاتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ پانی پیچیدہ مرکب ہو، محقق بتاتے ہیں کہ ہم سانس لینے کے لئے جو آکسیجن فضا سے جذب کرتے ہیں، وہی پانی میں پائی جاتی ہے۔ اس آکسیجن کو O_2 سے ظاہر کرتے ہیں۔ اسے لیب میں بنایا جاسکتا ہے۔ مثلاً آکسیجن گیس بنانے کے لئے پوٹاشیم کلوریٹ کو ٹیسٹ ٹیوب میں گرم کیا جاتا ہے، خارج ہونے والے بخارات کی کیمیائی جانچ سے پتہ چلتا ہے کہ بخارات میں وہ تمام خواص ہیں جو آکسیجن میں موجود ہیں مگر کیا یہ آکسیجن گیس آدمی سانس لینے میں استعمال کرسکتا ہے؟

جو گیس مصنوعی آکسیجن کے سلنڈر کے نام سے اسپتالوں میں دستیاب ہوتی ہے وہ پودوں اور فضائی تعامل کے عمل سے حاصل کی جاتی ہے۔ کیا قدرتی طور پر مفت دستیاب پانی کو اسٹیرلائز کرکے پریزرویٹوز شامل کرکے فروخت کرنا سائنسی ترقی ہے؟

کم و بیش ایسے ہی سوال آج کل بازاروں اور چھوٹے بڑے شاپنگ مال میں بکنے والے جینیاتی انڈے، مرغی کے گوشت، بغیر بیج کی سبزیاں، کھیرے، بڑی جسامت کے کیلے، سیب، آم وغیرہ کے بارے میں اٹھتے ہیں۔

ہمارے سائنسی نظریات ہماری مجبوریاں ہیں جنہیں عقائد کا درجہ حاصل ہے۔ دراصل یہ خودساختہ بندشیں ہیں جن کی وجہ سے حقیقت ہم سے اوجھل ہے۔ محققین تمام تر ارضی مرکبات کو تقریباً 135 عناصر کی کیمیائی ترکیب مانتے ہیں، مگر اس کے آگے کیا؟

یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ Fe (لوہا) سے سونا بنایا جاسکتا ہے مگر بہت زیادہ مہنگا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ جہاں پانچ لاکھ کا موبائل فون اب پانچ سو روپے میں دستیاب ہے وہاں لوہے سے سونا بنانے کی ٹیکنالوجی سستی کیوں نہیں ہوسکی؟

فی زمانہ حکومتیں جہاں سونے کو اقتصادیات میں زرمبادلہ کا معیار تسلیم کرتی ہیں وہاں تاریخِ آدمیت، سونے کے ہوس ناک قصوں سے بھری پڑی ہے۔ طلب کی شدت کے باوجود سونے کو صدیوں سے پہاڑی پتھروں، دریاؤں اور جھیلوں سے نکالنے کی کوششیں کی جارہی ہیں؟ سونا بنا کیوں نہیں لیا جاتا؟ (قسط: ۱)

اٹھائیس گرام شہد

کیا تم خود بھی شہد کھاتی ہو ــ؟ بچپن سے ذہن میں موجود سوال شہد کی مکھی سے پوچھا۔ ہاں ہم خود بھی شہد کھاتی ہیں اور شہد کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ صرف 28 گرام (ایک اونس) شہد سے شہد کی مکھی پوری دنیا کا چکر لگا سکتی ہے۔

جھکے کندھوں کے ساتھ وادی نمل سے دوسری طرف نکل آیا، دور دور تک پانی پھیلا ہوا تھا۔ فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ ابھی تک ریسکیو ٹیم کو ہماری بوٹ کی تلاش میں یہاں آجانا چاہئے تھا لیکن ریسکیو بوٹ یا ہیلی کاپٹر کے آثار نہیں تھے۔ دل رات کو ہونے والی جرح سے مکدر تھا۔ میں رات گئے تک ٹیلے کے کنارے کسی بوٹ یا جہاز کے انتظار میں پانی کو دیکھتا رہا اور پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ میں اسکول میں ڈیسک پر بیٹھا ہوں۔ کلاس میں اور لڑکے بھی ہیں۔ پروفیسر صاحب جانوروں سے آگاہی سے متعلق لیکچر دے رہے تھے۔ پروفیسر صاحب کی نشست کلاس سے کچھ اونچائی پر تھی جیسے کوئی اسٹیج بنا ہو۔ اسٹیج پر کم روشنی کی وجہ سے پروفیسر صاحب کا چہرہ واضح نہیں تھا، صرف ہیولیٰ دکھائی دیا۔ میں کھڑا ہوا اور ان سے پوچھا، سر! آدمی کے پاس جانوروں کی نسبت افضلیت کا وہ کون سا معیار ہے جس کی بنا پر وہ کائنات میں ممتاز ہے ــ؟

پروفیسر صاحب نے جواب دیا، ہر نوع میں بچے اپنی مخصوص نوع کے نقش و نگار پر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بلی آدمیوں سے کتنی ہی زیادہ مانوس ہو اس کی نسل بلی ہوتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ بکری سے بلی پیدا ہوئی ہو یا گائے سے کبوتر۔ شکم مادر میں ایک طرف نوعی تصورات اور دوسری طرف ماں باپ کے تصورات بچہ کو منتقل ہوتے ہیں۔ ان تصورات میں مقداریں کام کرتی ہیں۔ بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا اور مقداروں کے ساتھ ہدایت بخشی۔ مقداریں نوع کو الگ الگ کرتی ہیں۔ تخلیقی فارمولوں میں جب یہ مقداریں بکری کے رنگ و روپ میں تبدیل ہوتی ہیں تو بکری بن جاتی ہیں اور جب یہی مقداریں آدم کے نقش و نگار میں تبدیل ہوتی ہیں تو آدمی بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک طویل لیکچر دیا جو یاد نہیں رہا۔ کلاس ختم ہوئی۔

پروفیسر صاحب اسٹیج سے نیچے اترے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ میرے راہ نما تھے۔

اٹھ جاؤ ابن آدم! میں نے آنکھیں کھولیں تو سامنے الّو بیٹھا تھا۔ میں ٹیلے کے باہر پانی کے کنارے نہ جانے کب تک سوتا رہا۔

عدالت میں پیشی کا وقت ہو چکا ہے، میں تمہیں لے جانے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر الّو میرے کندھے پر بیٹھ گیا اور عدالت تک رسائی کے لئے راہ نمائی کی۔ ذہن خواب میں الجھا ہوا تھا۔ مدتوں بعد راہ نما کو خواب میں دیکھ کر فرحت کا احساس ہوا۔ خود کو ہلکا محسوس کیا۔ ندامت بھی تھی کہ ایک عرصہ سے انہیں فراموش کئے بیٹھا ہوں۔

تالاب کے پاس تمام جانور دائرہ بنا کر بیٹھے تھے۔ بادشاہ سلامت شیر مسند پر براجمان تھے۔ لومڑی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں مخصوص جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہز رائل ہائی نیس بادشاہ شیر نے دیر سے آنے پر ناراضی کا اظہار کیا اور کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔

بی لومڑی کو دیکھ کر سر بھاری ہو گیا۔ اس نے مجھے نیچا دکھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ سب کے سامنے میری عزت کا جنازہ نکال دیا تھا۔

لومڑی آرام سے چلتی ہوئی میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور بولی، معلوم ہوا ہے کہ تم چہل قدمی کرتے ہوئے وادی نمل جا پہنچے۔ یقیناً چیونٹیوں کے منظّم طرزِ معاشرت سے بخوبی واقف ہوئے ہوں گے۔ کیا اب بھی کوئی دلیل ہے کہ تمہارا شمار افضل مخلوق میں ہو؟

خواب کے بعد میں نے اپنے اندر علم کا سمندر محسوس کیا۔ لگتا تھا کہ شعور بہت سی ان کہی باتوں سے آگاہ ہو چکا ہے لیکن زبان کی علم تک رسائی نہیں تھی۔ خاموش رہنے میں بہتری جانی۔

تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تمام مخلوقات کم عقل اور کم فہم ہیں جب کہ ان کا طرزِ معاشرت دیکھ کر خود تمہاری عقل دنگ اور زبان گنگ ہے۔ لومڑی نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

طنز سن کر میں آگ بگولا ہو گیا۔ مانتا ہوں کہ چیونٹی اور بیا کی طرزِ معاشرت قابل تحسین ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ جانور اچھائی برائی کے تصور سے آشنا نہیں۔ یہ آدم کا وصف ہے کہ وہ اچھائی اور برائی جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسی کو دکھ دینا، استحصال کرنا، چوری، غصہ، حسد و کینہ رکھنا برا عمل ہے۔ ہم نے اپنے لئے ایسے اسباق تجویز کئے ہیں کہ قوانین کے تابع زندگی گزاریں۔ برے لوگوں کے لئے سزائیں مقرر ہیں اور اچھے لوگوں کے لئے عزت و توقیر ہے۔ سزا و جزا کے قانون سے آنے والی نسلوں کو معاشرتی اور سماجی تحفظ فراہم ہوتا ہے جب کہ جانوروں نے آنے والی نسلوں کو تحفظ فراہم نہیں کیا، قواعد و ضوابط مقرر نہیں کئے۔ ہماری اچھائی اور برائی کے تصور نے ہمیں مخلوقات سے ممتاز کیا ہے۔ ہماری برادری اور کنبہ کو یہ وصف حاصل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ربط قائم کریں، ہمیں القا ہوتا ہے۔ میں نے پرجوش لہجہ میں جواب دیا۔

پہلے تو تم یہ فیصلہ کرو کہ خود کو آدمی سمجھتے ہو یا انسان۔ تمہیں اس بات کا بھی علم نہیں کہ آدمی اور انسان میں

فرق ہے۔اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا لومڑی بولی،نوع آدم کے تحفظ و بقا کی جو تقریر تم نے کی ہے وہ متاثر کن ہے اور سن کر ایسا محسوس ہوا کہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسرے مہلک ہتھیار تم نے نہیں، ہم نے بنائے ہیں۔ جنگ اول اور دوم ہماری وجہ سے ہوئی اور دنیا کو تیسری جنگ کے دہانہ پر بھی ہم جانوروں نے لا کھڑا کیا ہے۔

جانوروں کا قہقہہ بلند ہوا۔بادشاہ شیر بھی صورت حال سے محظوظ ہوئے لیکن پھر سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے آرڈر آرڈر کی آواز لگائی۔جانوروں کو اپنا مذاق اڑاتا دیکھ کر میں تلملا گیا مگر کیا کرتا،ضبط کے سوا چارہ نہ تھا۔

لومڑی بولی،اگر تم اچھائی اور برائی سے آشنا ہوتے تو جانتے کہ ایک انسان کا خون ساری انسانیت کا خون ہے۔کیا تم نے چیونٹیوں، بیا اور شہد کی مکھیوں کی زندگی میں قوانین کا اطلاق نہیں دیکھا، ان کی طرزِ معاشرت نہیں دیکھی، کارکن چیونٹیوں کا ایثار نہیں دیکھا—؟

جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ربط کی بات ہے تو تم شاید درویش صفت مخلوق شہد کی مکھی سے واقف نہیں ۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ میں شہد کی مکھی پر وحی نازل کرتا ہوں ۔لگتا ہے تم نے قرآن نہیں پڑھا یا پھر سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔کیا یہ شہد کی مکھی کی عزت و توقیر نہیں ہے کہ اللہ نے اس کا ذکر الہامی کتاب میں فرمایا ہے—؟

''اور دیکھو ہم نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں، درختوں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں، اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔''(النحل: ۲۹)

اگر اللہ سے تمہارا رابطہ ہے تو ہمارا بھی ہے، ہم بھی ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔سورۃ النحل اور سورۃ النمل کے نام سے سورتیں ہیں۔شہد کی مکھی اگر غلط رس لے کر آتی ہے تو محافظ چیونٹیاں چھتے میں داخل ہونے سے پہلے اسے ہلاک کر دیتی ہیں۔ان کے یہاں قانون ہے کہ غفلت برتنے والے کو بغیر مقدمہ چلائے ہلاک کر دیا جائے۔

میں نے پوچھا، کیا بغیر مقدمہ چلائے کسی کو ہلاک کرنا زیادتی نہیں—؟ لومڑی بولی—بالکل نہیں۔وہ خود اپنا جرم قبول کرتی ہیں۔تمہاری دنیا کی طرح نہیں کہ جرم کر کے دوسروں پر الزام ڈال دو اور خود بری ہو جاؤ۔ ایسے بری ہونے سے تو موت بہتر ہے کہ ہر وقت ضمیر کی ملامت ہو کہ کوئی ہماری وجہ سے جان سے گیا۔شہد کی مکھی کے پاس یہ علم ہے کہ کس رس میں جراثیم ہیں اور کون سا پھول فائدہ مند ہے۔جراثیم کی طرف جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ذہن وحی سے ہٹ گیا۔اس نے اطلاع کے نظام کو مسترد کیا۔کیا یہ سزا اور جزا کا قانون نہیں ہے؟ میں خاموش تھا۔

می لارڈ! بھولے آدم کو ایک دن شہد کی مکھیوں کے ساتھ گزارنے کا موقع دیا جائے۔

ہز رائل ہائی نیس بادشاہ شیر نے درخواست قبول کی اور شہد کی مکھی کو حکم صادر کیا کہ کل صبح مجھے اپنی بستی میں

لے جائے۔ایک شہد کی مکھی میری ناک پر آ کر بیٹھ گئی اور میں آنکھ کے ڈیلوں کو ناک پر جمائے اسے دیکھنے لگا۔اس کے بعد وہ اڑ گئی اور دیگر جانوروں کی طرح میں نے رات کا کچھ حصہ آرام کرنے میں گزارا۔

آنکھ اگلے روز دھوپ سے کھلی۔اردگرد طائرانہ نگاہ ڈالی۔تالاب ویران تھا۔تالاب میں چھلانگ لگائی اور نہانے کے بعد ناشتے کے لئے پھل تلاش کرنے لگا۔ اس دوران ایک شہد کی مکھی میرے اردگرد چکر لگاتے ہوئے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔سوال ذہن میں آیا کہ شہد کی مکھی پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے، یہ تو پیغمبرانہ وصف ہے۔

ناشتا کرتے ہوئے شہد کی مکھی سے پوچھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ تم پر وحی نازل کرتے ہیں۔کیا حضرت جبرائیلؑ تمہارے پاس آتے ہیں؟

شہد کی مکھی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور بولی، کیا تم جانتے ہو کائنات کیا ہے —؟ انفارمیشن کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔تمہارا یہاں ہونا، میرا تمہارے سامنے ہونا، جزیرہ میں جنگل اور جنگل کے چاروں طرف پانی، آسمان، زمین — سب انفارمیشن ہیں جو مخلوقات کو مسلسل ترتیب وتدوین کے ساتھ مل رہی ہیں۔ہر شے اطلاعات کی ڈور سے بندھی ہوئی ہے۔یہ اطلاعات تمہیں، مجھے، پہاڑوں، اشجار، جانوروں اور ساری مخلوقات کو فیڈ کر رہی ہیں۔دراصل اطلاع ہی زندگی ہے۔اگر تم وحی کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو علم حاصل کرنا ہوگا کہ اطلاع یا خیالات کیا ہیں، ان کا سورس کیا ہے —؟ میں نے حیرت سے کہا، بڑی سادہ سی بات ہے خیالات ہمارے دماغ سے آتے ہیں۔

شہد کی مکھی بولی، اگر خیالات دماغ سے آتے تو مردہ وجود کے اندر بھی دماغ ہوتا ہے لیکن اس کو خیال کیوں نہیں آتا؟ جب کوئی مر جاتا ہے تو سارے اعضا موجود ہوتے ہیں لیکن وہ غمگین اور خوش نہیں ہوتا۔اس کا صاف مطلب ہے کہ اسے اطلاعات نہیں مل رہی ہیں۔ جاننا ہوگا کہ اطلاع کا منبع کیا ہے اور وجود میں پہلے موجود حرکت کیا تھی اور کس کی تھی —؟ مادی اجسام کو اصل سمجھنے والا وحی کی حقیقت سے دور ہو جاتا ہے۔ حضرت مریمؑ پر بھی وحی ہوئی ہے لیکن وہ پیغمبر نہیں تھیں۔میں نہیں جانتی کہ ابن آدم نے خود کو محدود کیوں کر لیا ہے جب کہ اطلاعات سے ایک طرف حواس محدود اور دوسری طرف لامحدودیت میں داخل ہوتے ہیں۔طرز فکر کی مناسبت سے حواس ترتیب پاتے ہیں۔

ناسمجھنے کے انداز میں شہد کی مکھی کو دیکھا تو اس نے کہا، تمہارے یہاں شعور کی ترویج اسلاف، والدین اور ماحول سے مل کر ہوتی ہے لیکن ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ہم زندگی الہامی فکر کے تحت بسر کرتے ہیں جس میں والدین کے شعور کا عمل دخل نہیں ہوتا۔بلکہ یوں سمجھو کہ والدین اور اسلاف سے ہمیں یہ شعور منتقل ہوا ہے کہ زندگی الہامی فکر کے تابع ہے۔ہم وہی کرتے ہیں جو پروگرام ہمارے لئے مقرر ہے۔ہم اپنی فطرت پر قائم ہیں۔یہاں تمہیں ہر وہ جذبہ ملے گا جو تم آدمیوں میں

موجود ہے مگر تم لوگ اپنی فطرت پر قائم نہیں اس لئے جب کسی کو فطرت کے برخلاف عمل کرتا دیکھتے ہو تو کہتے ہو کہ یہ انسان نہیں، حیوان، جانور یا درندہ ہے۔ اب تو یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ جنگلوں میں بھی ایسا نہیں ہوتا جیسے شہروں میں ہوتا ہے اور تمہاری قوم کے بعض افراد جب اخلاقی قدروں کو پامال ہوتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ — جنگل کا بھی کوئی قانون ہوتا ہے۔

ہم میں سے کسی کو ماں باپ نہیں سکھاتے کہ شہد کن پھولوں سے اور کس طرح جمع کرنا ہے اور یہ کہ چھتا کیسے بناتے ہیں۔ ہم ان تحریکات پر عمل کرتے ہیں جو قدرت کی طرف سے ہمیں ملتی ہیں۔ خاندان اور اسلاف کے شعور سے ہم آزاد ہیں۔ میں حیرت سے گائیڈ ہنی بی کی باتیں سنتا ہوا اس کی راہ نمائی میں شہد کے چھتے کے قریب پہنچا۔ بہت سی شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

کیا تمہارے گھر کو قریب سے دیکھ سکتا ہوں، ڈر تھا کہ مکھیاں کاٹ نہ لیں۔ تم شاید جانتے نہیں کہ ہم مزاج میں لطافت کی وجہ سے کسی کو ڈنک نہیں مارتیں مگر جب کوئی لڑائی پر اکسائے یا چھتے کو خطرہ ہو تو دفاع کا حق ہمیں حاصل ہے۔ ہمیں پاکیزگی اور لطافت پسند ہے، بدبو سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ تعفن زدہ شے قریب آئے تو حملہ کر دیتے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ شہد کی مکھی کسی کو ڈنک مارنے کے بعد مر جاتی ہے —؟ ہماری نظر میں کسی کو ڈنک مارنا خودکشی کے مترادف ہے۔ جہاں زندگی وحی کے زیر تسلط ہو وہاں اس کے ہر رخ میں فلاح ہے۔

ڈنک میں فلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ حیرت سے پوچھا۔

گٹھیا، ملیریا اور کمزور اعصاب جیسے امراض کے علاج ہمارے ڈنک میں موجود ہیں۔ مکھی نے مسکرا کر کہا۔

لیکن ڈنک تو زہر ہوتا ہے اور مہلک ہو سکتا ہے۔ میں نے کئی واقعات پڑھے ہیں جن میں لوگ مکھیوں کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئے۔ وہ بولی، زیادتی ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ ایک آدھ مکھی کا ڈنک قابل برداشت ہو سکتا ہے اور قابل علاج بھی لیکن زیادہ مکھیاں کاٹ لیں تو زہر پیدا ہو جاتا ہے اور دل کی تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے۔

درخت کے نیچے کھڑے ہو کر غور سے دیکھا۔ بہت دفعہ شہد کی مکھیوں کا چھتا دیکھا تھا لیکن آج قریب سے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ دنیا میں تمام جانور پرندے اور کیڑے مکوڑے گھر بناتے ہیں مگر جیسا خوب صورت گھر شہد کی مکھیوں کا ہے، کسی چرند و پرند کا نہیں۔ گھر دیکھ کر عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایسی بستی میں آیا ہوں جہاں انجینیرز، ڈیزائنرز یا آرکیٹیکٹ — سب اپنے فن میں ماہر ہیں۔

کیا تم خود بھی شہد کھاتی ہو —؟ بچپن سے ذہن میں موجود سوال شہد کی مکھی سے پوچھا۔ ہاں ہم خود بھی شہد کھاتی ہیں اور شہد کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ صرف 28 گرام (ایک اونس) شہد سے شہد کی مکھی پوری دنیا کا چکر لگا سکتی ہے۔

کیا —؟ منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ (قسط: ۴)

سرورق کی تشریح

عبادات میں اجتماعیت کا عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم مل جل کر رہیں اور تفرقہ میں نہ پڑیں، ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال کریں، دین و دنیا میں اعتدال قائم رکھیں اور رمضان کے دوران ترک کی لذت سے آشنا ہو کر اللہ کی معرفت کی کوشش کریں، ایثار سیکھیں اور ایثار کو زندگی بنالیں۔ ہر عمل کی بنیاد اللہ کی خوش نودی پر رکھیں۔ اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کریں۔ کسی بھی خواہش کے حصول میں حد سے نہ گزریں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اللہ کا شکر ادا کریں۔ نعمتیں خالق کائنات کی نشانیاں ہیں جن پر تفکر کر کے ہم اس سے قریب ہو سکتے ہیں اور وہ حواس حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیں غیب کی دنیا سے متعارف کرواتے ہیں۔ (درخشاں مریم)

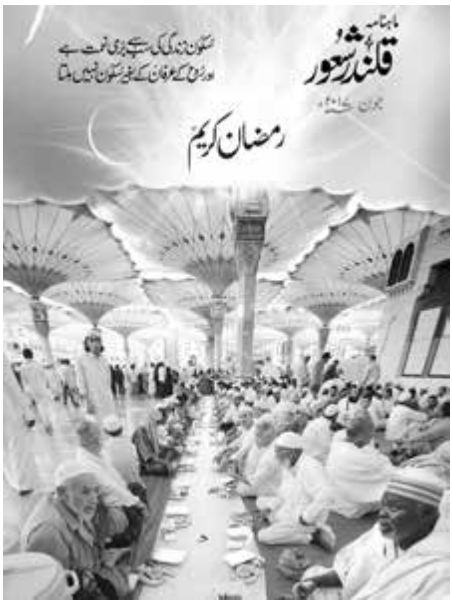

جون 2017ء کے سرورق پر غور کیا۔ ذہن میں یہ آیت گونجی: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔'' (آل عمران: ۱۰۳)

اسلام کے تمام ارکان اجتماعیت کا پروگرام ہیں۔ سرورق پر دکھایا گیا مسجد نبویؐ میں رمضان المبارک کا اجتماعی پروگرام غور طلب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور اللہ سے قربت پانے کے لئے روحانی حواس کی بیداری کا مہینہ ہے جس میں ان عادتوں کو ترک کرنے کے لئے مشقت اور مجاہدہ کیا جاتا ہے جو زندگی میں عدم توازن پیدا کرتی ہیں۔ رمضان ایسی صلاحیت اور ایسے حواس ہیں جن کی نشو ونما ترک کے پروگرام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ ترک کے پروگرام میں کامیابی کے بعد بندہ غیب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے، فرشتوں کو دیکھتا ہے، اس کے اندر راست طرز فکر راسخ ہو جاتی ہے اور یہ بات یقین بن جاتی ہے

کہ یہاں جو کچھ ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں: ترک کا مطلب چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ اس زاویہ یا سوچ کا ترک ہے جس میں تغیر ہے۔ (ثوبیہ رشید)

سرورِ کائنات حضور پاکؐ کی جانب سے روزہ داروں کی افطاری کا انتظام سرورق پر دکھایا گیا ہے۔ ماہ رمضان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مہینہ فرمایا ہے۔ اس کی آخری طاق راتوں میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس مہینہ میں بندہ اللہ کی رضا کے لئے دن کے حواس کو ترک کرتا ہے یعنی کھانا پینا، کم سے کم سونا، غیر ضروری باتوں سے پرہیز کر کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف رکھتا ہے۔ قیام الصلوٰۃ میں پابندی، قرآن کریم کی تلاوت اور معنی و مفہوم پر غور اور شب بیداری کرتا ہے۔ نیک اعمال اللہ کی اطاعت کا اظہار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بنو۔'' (البقرۃ:۱۸۳)

آیت میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔ ۱۔ ایمان والوں ۲۔ تم سے پہلی قوموں پر ۳۔ متقی بنو

ایمان والوں میں ہر وہ شخص شامل ہے جس کا تعلق کسی نہ کسی آسمانی مذہب سے ہے اور وہ مومن ہو۔ مذہب ہدایت کا پلیٹ فارم ہے اور انفرادی تقاضوں کو ترک کر کے اجتماعیت میں داخل کرتا ہے۔ روزہ کی تعلیم ہر مذہب میں دی گئی ہے۔ جب کوئی قوم انفرادی تقاضوں سے آزاد ہو کر نوعی تقاضوں پر عمل کرتی ہے تو وہ معاشرہ کے لئے بھلائی کا درخت اگاتی ہے اور بغیر کسی تخصیص کے مخلوق کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ انفرادی سوچ رکھنے والی قوم کائناتی قدروں کا مشاہدہ نہیں کر سکتی اور ہزاروں سال کی عمر پانے کے باوجود پالنے کا بچہ رہتی ہے۔

روزوں کا حاصل تقویٰ ہے۔ تقویٰ محض کسی مخصوص وصف کا نام نہیں بلکہ کئی صفات یا اوصاف پر مشتمل پیکج ہے۔ یہ تمام صفات اللہ کے حکم سے اختیاری و اکتسابی ہیں۔ فرد چاہے تو انہیں اپنا لے اور چاہے تو خود کو محروم رکھے۔ قرآن کریم کے مطابق تقویٰ یہ ہے — اللہ تعالیٰ پر ایمان، انبیائے کرام اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان، شک کو دل میں جگہ نہ دینا، قیام الصلوٰۃ، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اللہ کے گھر کی زیارت یعنی حج، حق داروں کو حق دینا، حلال روزی کا حصول، عہد کو پورا کرنا، عدل و انصاف کا اہتمام، سختی اور تکلیف میں ثابت قدم رہنا، ظلم و فساد سے باز رہنا، قربانی دینا، ظاہری اور باطنی پاکیزگی کا اہتمام کرنا، راست بازی، مثبت سوچ اور مرتبۂ احسان حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''روزہ میرے لئے ہے اور روزہ کی جزا میں ہوں۔''

رمضان المبارک کو مکمل آداب کے ساتھ گزارنے سے بندہ کا تعلق رب سے استوار ہو جاتا ہے۔ اس مہینہ میں ایک رات ایسی ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ رمضان المبارک ہمیں وہ ماحول مہیا کرتا ہے جس میں ہم قرآن سے ہدایت حاصل کر کے غیب کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ایسا تربیتی پروگرام ہے جس میں فرد کے اندر قوت برداشت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ مشکلات میں صبر کرنے اور ایثار کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اس ماہ ہر لمحہ اس احساس کے ساتھ گزرتا ہے کہ میرا ہر عمل اللہ کی خوش نودی کے لئے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

''رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہم دردی اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں فراخی اور اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینہ میں روزہ دار کو افطار کروایا تو یہ اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہے۔ وہ اجر میں روزہ دار کے برابر ہو گا جب کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔'' (سنن ترمذی)

عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ دار کو افطار کروانا نہایت مستحسن عمل ہے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں سحر و افطار میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ ہمیں عام دنوں کی نسبت زیادہ متحرک نظر آتا ہے۔ اس مہینہ میں مسلمان سال بھر کی روٹین ترک کر کے ماہِ رمضان کے قواعد وضوابط پر عمل کرتے ہیں۔ فجر سے پہلے کی رونقیں، مسجد میں نمازیوں کا ازدحام، تراویح کی باجماعت نماز اور ختم قرآن کی محافل کی وجہ سے پورا ماحول پاکیزہ اور نورانی محسوس ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اور خیرات کی مد میں پورے سال سے زیادہ اس ماہ خرچ کیا جاتا ہے۔ مساجد میں روزانہ روزہ داروں کے لئے افطار کا اہتمام ہوتا ہے۔ جو روزہ دار افطار کے وقت معاشی کاموں سے فارغ ہو کر گھر نہیں پہنچ پاتے، مساکین، حاجت مند غرض ہر شخص کے لئے مختلف چوراہوں پر افطار کا اہتمام ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کار خیر کا یہ جذبہ پورے سال اور پوری زندگی پر محیط ہو۔ عظیمی صاحب کی جانب سے ہر سال عظیمیہ مسجد کراچی میں افطار کا انتظام کیا جاتا ہے۔ (نگہت حیات)

سرورق میں رمضان کریم کی نسبت سے مثبت سوچ (positive thinking) کا درس ہے کہ جو بندہ مثبت سوچ کے ساتھ رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر، اللہ کی طرف بڑھے گا، مخلوق کے کام آئے گا تو اس کی سوچ انفرادیت سے نکل کر اجتماعیت میں داخل ہو جائے گی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ رحمتوں اور نعمتوں کے سائے میں لے لیتا ہے۔ (عدنان نذیر)

سید اسد علی

فنا اور بقا

تحریر سے یہ سمجھا کہ ماں باپ ساتھ رہتے ہوں یا دور، ان کی قدر اور احترام لازمی ہے۔لکھا تھا،''بابا! آپ بہترین والد ہیں،آپ کی مسکراہٹ خوب صورت اور آواز انمول ہے،آپ ہمارے دل میں ہیں۔''

اس شہر کا تذکرہ بہت کم کیا جاتا ہے۔ کوئی پاس سے گزرے تو ذہن اس جانب ضرور متوجہ کرتا ہے مگر اگلے لمحہ زندگی کی چکا چوند اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ بظاہر وہاں تنہائیوں کا بسیرا ہے لیکن خاموشی بھی صدا دیتی ہے۔ میں نے سوچا کہ آج اس شہر کو قریب سے دیکھنا چاہئے۔ خواہش ارادہ بن گئی اور قدم اس طرف اٹھ گئے۔

دھوپ کی تمازت کم ہو چکی تھی اور ٹھنڈی خنک ہوا چل رہی تھی۔ امیر غریب، کالا گورا، چھوٹا بڑا، مرد عورت— سب وہاں موجود تھے۔ ہجوم اتنا کہ چلنا محال تھا، بچ بچا کر قدم رکھے کہ کہیں کسی کو ناگوار نہ گزرے اور پھر احترام بھی لازمی تھا۔ البتہ اس قدر رش کے باوجود سکوت اور خاموشی کا راج تھا، سمجھ نہیں سکا کہ وجہ کیا ہے۔

ماحول میں اداسی تھی یا پھر یہاں آکر میرے اندر کی اداسی ماحول پر غالب ہوگئی تھی۔ میں نے سوچا کہ کیا یہاں سب ایک دوسرے سے ناراض ہیں یا اپنی دنیا میں مگن—؟

جو آوازیں سن سکا وہ درختوں پر پرندوں کی یا اندھیرا ہونے کے بعد کتوں کے بھونکنے کی تھی۔

یہاں موجود لوگوں میں سے کئی اپنی سلطنتوں کے حکم ران تھے، چاہے وہ مملکت چھوٹا سا گھر ہو یا بہت بڑا زمین کا خطہ۔لیکن یہاں پر آجانے کے بعد نہ کوئی جائیداد کا دعوے دار تھا اور نہ مال و دولت جمع کرنے کے طریقے ڈھونڈنے میں مگن۔

خاموشی میں مخفی آوازوں کو سننے کی جستجو میں تھا کہ چلتے چلتے ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے مصرعے ذہن میں وارد ہوئے۔

؎ اس راہ میں رکھ پیر ذرا آہستہ
آنکھیں ہیں پری زادوں کی خاکستر میں

پری زادے اور پری زادیاں جس حسرت و یاس کی تصویر تھے وہ لمحہ فکریہ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کوئی کسی کی آنکھ کا نور ہے تو کوئی کسی کے دل کا سرور ہے لیکن یہاں آنے کے بعد عزیزوں اور محبت کے

دعوے داروں نے انہیں تنہا کیوں چھوڑ دیا اور یہ کیوں ان کو چھوڑ کر یہاں آئے—؟

سچ ہے کہ اکثریت اس شہر کا رخ نہیں کرتی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی بالآخر یہاں پہنچ جاتی ہے۔

اکثریت کا محور دنیا ہے۔ آدمی صحت اور ایمان کا سودا کر کے دن رات دنیا کمانے میں مگن رہتا ہے یہ سوچ کر کہ دولت تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اقتدار، بنگلا، گاڑی اور خواہشات سے دل مطمئن نہیں ہوتا اور چلتے چلتے وہ مقام آجاتا ہے جہاں پھوٹی کوڑی بھی ساتھ نہیں جاتی۔

اس شہر کی عمارتوں کا جائزہ لینے کے دوران کئی گھر ایسے ملے جن کی حالت بے حال تھی۔ جیسے وہ اس دنیا میں بالکل تنہا ہیں، کوئی عزیز ہے نہ رشتہ دار۔ اکثر گھروں کی دیواروں پر لکھے ہوئے نام مٹ چکے تھے۔

شہر کے دوسری طرف بازار لگا تھا جہاں لوگ جھوٹ سچ کے کاروبار میں مصروف تھے۔ قطع نظر اس کے کہ بزرگوں نے بتایا تھا کہ ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، غلط بیانی، منافع خوری، سود، ہیرا پھیری ایسا دردناک عمل ہے جس میں آدمی گھٹ گھٹ کر روز مرتا ہے لیکن نہیں مرتا۔ توجہ ایک بار پھر آس پاس عمارتوں پر مبذول ہوگئی۔ گھر کی نیم پلیٹوں پر عجیب طرح کی عبارتیں لکھی ہوئی تھیں۔ ہر عبارت ایک درس بھی تھی اور پشیمانی بھی۔ جیسے،

؎ سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

★ امی آپ نے کہا تھا، ماں بیٹا ساتھ رہیں گے مگر آپ کا بیٹا—''

★ ماما کی پری، پاپا کا جن۔

یہاں ایک گھر اذان خان کا ہے۔ نیم پلیٹ پر نام کے ساتھ جذبات اس طرح درج تھے۔

؎ یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

ایک صاحب ع، اکے گھر کی دیوار پر تحریر تھا—

؎ ہنستی رہی قضا میری بالیں پہ رات بھر
کرتے رہے طبیب دوائیں تمام رات

تھوڑا آگے بڑھا، ایک اور تحریر نے متوجہ کیا۔ قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بچوں نے والد صاحب سے محبت کا اظہار دیوار پر کندہ کیا ہے۔ والد صاحب یہاں رہتے ہیں اور بچے ملنے آتے ہیں۔ میں نے اس تحریر سے یہ سمجھا کہ ماں باپ ساتھ رہتے ہوں یا دور، ان کی قدر اور احترام لازمی ہے۔ لکھا تھا،

''بابا! آپ بہترین والد ہیں، آپ کی مسکراہٹ خوب صورت اور آواز انمول ہے۔ آپ ہمارے دل میں ہیں۔''

یہاں معروف اداکار بھی رہتے ہیں جن سے میں کبھی ملا نہیں لیکن آج ان کے گھر کے باہر کھڑا دیوار پر لکھی عبارت پڑھ رہا تھا۔

؎ راہوں کی مشکلوں کا تمہیں کیا ثبوت دوں
منزل ملی تو پاؤں کے چھالے بھی نہ رہے

ان دیواروں پر ایک تحریر ایسی بھی تھی کہ گزرنے والا

اگر سخن سے ذوق رکھتا ہو تو عبارت پڑھ کر جان لے گا کہ گھر کا مکین کون ہے۔

؎ میں کہ صحرائے محبت کا مسافر تھا فرازؔ
ایک جھونکا تھا کہ خوش بو کے سفر پر نکلا

ایک name پلیٹ پر تحریر تھا:

''اگر آنسو سیڑھی بن جائیں اور یادیں راستہ تو دل میں رہنے والوں سے رابطہ ہو جاتا ہے۔''

جب کہ کسی نے اپنا حال ان الفاظ میں بیان کیا تھا:

؎ برمزار ماغریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد، نے صدائے بلبلے

کسی نے گھر کے مین گیٹ پر لکھا تھا،

؎ نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں

پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں، کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں، میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

عمارتوں پر عبارتیں پڑھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ وہاں ایک بزرگ ہیں۔ کبھی ان کی آنکھیں شبنم بن جاتیں اور کبھی ان کا چہرہ دمک کر چاندنی بن جاتا۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں بند کر لیتے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر پتہ نہیں کس عالم میں تھے۔ میں نے چہرہ کے تاثرات پڑھے تو چہرہ اسکرین نظر آیا۔ اسکرین پر ہر گھر کی تصویر اور گھر میں رہنے والوں کے حالات فلم کی طرح نظر آرہے تھے۔ کوئی رو رہا تھا، فریاد کر رہا تھا، عزیز رشتہ داروں کا شکوہ کر رہا تھا کہ اس کی لاکھوں کروڑوں کی جائیداد پر چیل کوّوں کی طرح جھپٹ گئے تھے۔ میں نے بزرگ کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھا تو چہرہ پر شفق کی سرخی نظر آئی اور اس سرخی میں ان کی مسکراہٹ ایسی لگی کہ پوری بستی جل ترنگ ہوگئی۔

بہت ادب واحترام سے ہلکے قدموں کے ساتھ ان کی پشت کی جانب بیٹھ گیا۔ انتظار تھا کہ بزرگ دوسری دنیا سے اس دنیا کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ استغراق کے عالم سے اس عالم رنگ و بو میں شعوری طور پر جلوہ افروز ہوئے۔ میں نے ادب سے سلام کیا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور عرض کیا، حضرت صاحب! آپ کیا دیکھ رہے تھے ــــ کون سے حالات سامنے آرہے تھے کہ آپ کبھی مسکراتے اور کبھی چہرہ پر اضطراب نظر آتا ــــ؟

روشن ضمیر ہستی نے فرمایا ــــ میں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ نظروں کے سامنے اسپرنگ کی طرح چھوٹے اور بڑے خوش رنگ دائرے بننا شروع ہوگئے پھر ایک دم اندھیرا ہو گیا، دور خلا میں روشنی نظر آئی۔ ایک بہت بڑی چہار دیواری میں قلعہ کی طرح دروازہ دیکھا۔ اندر داخل ہوا تو دیکھا وہاں پورا شہر آباد ہے، بلند و بالا عمارتیں ہیں، چکنی مٹی سے بنے کچے مکان ہیں، دھوبی گھاٹ ہے اور ندی نالے بھی۔ یہ ایسی بستی ہے جس میں محلات کے ساتھ پتھر کے زمانہ کے غاروں میں رہنے والے آدم زاد بھی ہیں۔ ان بستیوں میں بہت زیادہ ترقی یافتہ قومیں رہتی ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اڑن کھٹولے بنائے۔ یہاں ایسی دانش ور قوم بھی آباد

ہے جس نے کشش ثقل کے فارمولے ایجاد کئے اور ہزاروں ٹن چٹانوں کو بے وزن کردیا۔ ایسی قومیں بھی ہیں جنہوں نے ٹائم اسپیس کو کم کرکے زمین میں رہتے ہوئے یہ معلوم کرلیا کہ اس وقت آسمان پر فرشتے کیا کررہے ہیں اور زمین پر کیا ہونے والا ہے۔ ایجادات سے ہواؤں کا رخ پھیر دیتے تھے اور طوفان کے جوش کو جھاگ میں تبدیل کردیتے تھے۔

یہاں کھیت کھلیان ہیں اور بازار بھی، ایسے بازار جن میں دکانیں ہیں لیکن خریدار کوئی نہیں اس لئے کہ ان کا پیشہ چور بازاری تھا۔ کوئی حساب میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ اپنے بال نوچنے لگتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔

اس عظیم الشان شہر کی یہ گلیاں تنگ و تاریک ہیں۔ مکانات کی چھت اتنی نیچے ہے کہ گھٹن کی وجہ سے بیٹھنا محال ہے۔ یہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو غیبت کرتے تھے اور ایک گھر کی بات دوسرے گھر میں کرتے تھے، لگائی بجھائی کی وجہ سے ان کی ٹانگوں میں انگارے بھرے ہوئے ہیں۔ اپنے دور کی ایک ملکہ بھی رہتی ہے جس کا احوال معلوم کرنا ہو تو اس کے مزار کا رخ کرو۔

میں نے آپ کے چہرہ پر مسکراہٹ بھی دیکھی تھی۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کیوں مسکرائے—؟

اسی شہر میں معروف بزرگ کی قیام گاہ ہے جہاں پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ روزانہ ہزاروں افراد لنگر کھاتے ہیں۔ حق کے متلاشی، دکھوں کے مارے، مسائل سے نجات کے متلاشی لوگ جس طرح عالم رنگ و بو میں فیض یاب ہوتے تھے—اب بھی لطف و کرم اور انعامات کا سلسلہ جاری ہے۔ جن لوگوں نے صاف ستھری زندگی گزاری اور اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا، یہاں پر ان کے دیدہ زیب باغات ہیں۔

اتنا کہہ کر بزرگ نے بات مکمل کی اور میری طرف بغور دیکھا۔ میں ان کی باتوں میں گم زندگی کے دورخوں پر غور کررہا تھا۔ ایک رخ، دوسرے کا عکس ہے۔ بندہ جس طرز زندگی کا انتخاب کرتا ہے، وہ نتیجہ بن جاتی ہے لیکن ہم ان باتوں پر غور نہیں کرتے۔

قارئین! یہ بات ہے شہر غریباں کی۔ نام شہرِ غریباں ہے لیکن اس بستی میں تخت و تاج کے مالک، سلطنتوں کے حاکم، افواج کے سپہ سالار، آسائشوں سے مستفیض، طاقت ور لوگوں سے لے کر کم زور اور عام فرد تک سب ایک جگہ مقیم ہیں۔ یہاں آکر بادشاہ و رعایا، امیر اور غریب—سب ایک ہوجاتے ہیں۔ ان کی آخری قیام گاہیں پیچھے آنے کو والوں کو پیغام دیتی ہیں کہ عالم رنگ و بو میں سب کچھ مایا ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

جو شاہ کئی ملک سے لیتے تھے خراج
معلوم نہیں کہاں ہیں ان کے تخت و تاج
البتہ یہ افواہ ہے عالم میں عظیمؔ
اب تک ہے غبار زرد ان کی افواج

شہد
میں شِفا ہے
wild flower
organic
honey
Net Wt.
125 gm
Net Wt.
250 gm
AZEEM
Life Sciences
Karachi-Pakistan
عظیمی میڈیکل سٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

تو جسم کے ساتھ ــــ
میں جان کے ساتھ آؤں گا

''اگرچہ ظاہر میں دوری ہے لیکن روحانی طور پر میں قریب ہوں۔''

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی والدہ نیک صفت خاتون تھیں۔قرآن کریم کی تلاوت ذوق شوق اور باقاعدگی سے کرتی تھیں۔خواب میں دیکھا—

''ہر سمت نور ہی نور ہے۔نورانی کرنیں زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔غیب سے آواز آئی — ایک فرزند تیرے گھر میں پیدا ہونے والا ہے۔اس کے دل کے نور سے تیرا گھر منور ہے۔''

پیدائش 569ھ میں عراق کے قصبہ اوش میں ہوئی۔نام بختیار رکھا گیا۔عمر اڑھائی برس ہوئی تو والد خواجہ کمال الدین اوشی وفات پا گئے۔تعلیم و تربیت پر والدہ نے خصوصی توجہ دی کہ بچپن سے اللہ پر توکل قائم ہوگیا۔مدرسہ میں داخلہ کے لئے والدہ نے ہمسائے کو بلایا اور کہا کہ ایسے معلم کے سپرد کردو جو اسے ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم دے۔

راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔

پوچھا،اس لڑکے کو کہاں لے جارہے ہو؟

ہمسائے نے کہا،کسی معلم کے سپرد کروں گا۔

اجنبی بولا، بچے کو شیخ ابوحفصؒ اوشی کے پاس لے جاؤ کیوں کہ اس کے علم کا حصہ ان کے پاس ہے۔

اجنبی ان کو شیخ ابوحفصؒ کے پاس لایا اور کہا،

احکم الحاکمین کا حکم اس طرح ہے کہ اس طفل کو علوم ظاہری و باطنی سے مستفیض کرو۔مجھے اس لڑکے سے کام ہے،بہت توجہ سے تربیت کرنا۔

شیخ ابوحفصؒ نے بچہ کو قبول کیا اور تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوگئے۔فرمایا،اے طفل! عجب بختیار ہے تو کہ خضرؑ نے تجھ کو میرے سپرد کیا ہے اور اللہ کا حکم تیرے لئے ایسا ہی ہے۔

حضرت ابوحفصؒ سے علوم ظاہری و باطنی کے حاصل کرنے کے بعد علم لدنی کی جستجو بڑھی۔حضرت بختیارؒ اوش سے بغداد پہنچے جہاں امام ابوالیث سمرقندیؒ کی مسجد میں حضرت معین الدین چشتیؒ سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات میں دل کی دنیا زیر و زبر ہوگئی اور بیعت سے مشرف ہوئے۔مرشد کریم کی صحبت میں رہ کر روحانی علوم حاصل کئے اور سلوک کی منازل طے کیں۔ شیخ نے خصوصی نظر کرم فرمائی۔تقریباً بیس سال کی عمر

میں شیخ طریقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا،

''جا، ہم نے تجھے سب مشائخ کا سردار بنادیا ہے!''

کاکی نان کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ نام کا حصہ بننے کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک روز آپ حوض شمسی پر بیٹھے تھے کہ کسی عقیدت مند نے کہا، کیا ہی اچھا ہوتا اس سرد ہوا کے ساتھ گرم کاک (نان) بھی مل جاتی۔ خواجہ بختیارؒ نے ہاتھ حوض میں ڈال کر باہر نکالا تو ہاتھ میں گرم نان تھے۔ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے کچھ عرصہ سیر و سیاحت میں بھی گزارا۔ سیاحت سے حصول علم اور مشاہدہ میں اضافہ ہوتا ہے تاہم حقیقی سیر وہ ہے جس میں بندہ مناظر کے باطن دیکھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ دریا کنارے پہنچے تو دیکھا کہ بہت بڑے قد وقامت کا بچھو قریب سے گزر کر دریا میں اتر گیا۔ یہ دیکھ کر ہم رکے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یا اللہ! دریا پار اترنے کا سبب بنادے — پانی میں خشک زمین ظاہر ہوئی۔ دریا عبور کیا تو دیکھا کہ دوسرے کنارے پر ایک شخص درخت کے نیچے گہری نیند سویا ہوا ہے، قریب اژدہا موجود ہے جو اس پر حملہ کرنے والا ہے کہ اچانک وہی بچھو جو دریا میں داخل ہوا تھا، تیزی سے آیا اور اژدہے کو ڈنک مار کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اژدہا تڑپ کر مر گیا۔ ہم نے سوچا کہ سویا ہوا شخص اللہ کا بندہ ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ قریب گئے تو وہ نشے میں دھت تھا۔ حیرت ہوئی کہ نافرمان شخص پر اللہ کی اتنی مہربانی!

غیب سے آواز آئی،

''اے عزیزو! اگر ہم صرف نیک بختوں اور پارساؤں کو نگاہ میں رکھیں تو گناہ گاروں کی پرورش وحفاظت کون کرے گا؟''

ہم نے استغفار کیا، اتنے میں وہ شخص اٹھ گیا۔ روداد معلوم ہونے پر بہت خوش لیکن نادم بھی ہوا اور نشے سے توبہ کر لی۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں کسی درویش کو دیکھا جو عالم تحیر میں تھا۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کب سے اس حال میں ہیں۔ بتایا کہ بیس سال سے۔ میں کچھ مدت ان کی خدمت میں رہا۔

ایک مرتبہ جذب کی حالت میں پاکران سے پوچھا، جس وقت آپ عالم تحیر میں ہوتے ہیں کیا کسی کی آمد و رفت کی خبر ہوتی ہے؟ درویش نے فرمایا،

''جس وقت میں دریائے محبت میں غرق ہوتا ہوں تو جو کچھ تجلیات کے اسرار نازل ہوتے ہیں، ایسے میں اٹھارہ ہزار میں سے کسی عالم کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ عشق الٰہی کی راہ ہے جس نے اس میں قدم رکھا وہ نہ واپس آسکتا ہے نہ جان سلامت لاسکتا ہے۔''

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ اور میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ شیخ برہان الدینؒ طواف کرنے آئے۔ ہم نے ان کے پیچھے طواف شروع کر دیا، جہاں قدم رکھتے ہم بھی وہیں رکھتے۔

وہ پیر روشن ضمیر تھے سمجھ گئے۔ فرمایا،

''میری ظاہری متابعت کیوں کرتے ہو؟ متابعت کرنی ہے تو باطنی کرو۔''

پیرومرشد خواجہ غریب نوازؒ کی یاد میں دن، مہینے اور مہینے سال بن گئے۔ ایک روز خواجہ بختیار کاکیؒ کو اطلاع ملی کہ مشفق مرشد نے ہندوستان کے شہر اجمیر کو مسکن بنالیا ہے۔ بے چین ہو گئے اور بغداد سے اجمیر جانے کا قصد کیا۔ راستہ میں ملتان میں قیام کیا۔

ملتان اس دور میں علوم وفنون کا مرکز تھا۔ خواجہ بختیارؒ کے ملتان میں قیام کے دوران بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے علم کی جستجو میں یہاں کا رخ کیا۔ ایک روز مسجد میں کتاب پڑھ رہے تھے۔ حضرت بختیارؒ مسجد تشریف لے گئے اور ایک نوجوان کو مطالعہ میں مشغول پایا۔ نوجوان کی نظر ان پر پڑی تو بے چین ہو کر تعظیم میں کھڑا ہو گیا۔

خواجہ بختیارؒ نے پوچھا، بیٹا کیا پڑھتے ہو؟

عرض کیا، کتاب ''نافع'' پڑھتا ہوں۔

جانتے ہو ''نافع'' پڑھنے سے تمہیں کیا نفع ہوگا؟

باادب عرض کیا، حضرت! مجھے تو آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہونا نافع ہوگا۔ والہانہ انداز میں بڑھے اور حضرت بختیارؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

کتاب ''سیرالاقطاب'' میں لکھا ہے،

جس وقت دلّی میں داخل ہوئے، ایک عریضہ پیر روشن ضمیر کی خدمت میں ارسال کیا اور لکھا،

فدوی اشتیاق قدم بوسی میں یہاں تک آ گیا ہے، اگر حکم ہو تو اجمیر میں حاضر ہو۔

بلبل ز ادب پانہد در صف گل زار
تا گل بہ طلب گاری او لب نہ کشاید

ترجمہ: بلبل ادب کے پیش نظر باغ میں قدم نہیں رکھتا جب تک کہ پھول اس کی محبت کے بارے میں لب کشائی نہ کرے۔

حضرت خواجہ خواجگانؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

''تم دلّی میں رہو۔ وہ ولایت تم کو جنابِ ایزدی سے عطا ہوئی ہے اور ملاقاتِ روحانی تو تم کو روز حاصل ہے۔ عنقریب بندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ دلّی میں آئے گا۔ اس وقت ملاقاتِ ظاہری بھی ہو جائے گی۔''

پیرومرشد کے حکم پر دلّی میں قیام فرمایا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دلّی آمد پر سلطان شمس الدین التمش استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا، وہ خواجہ غریب نوازؒ کا عقیدت مند تھا۔ درخواست کی کہ دلّی میں ان کے پاس قیام کریں لیکن آپ نے پیش کش قبول نہیں فرمائی اور دلّی شہر کے مضافاتی علاقہ

میں قیام کیا جو جمنا کے کنارے واقع تھا۔ رفتہ رفتہ تمام شہر معتقد ہو گیا۔ شہرت ہندوستان کے دیگر علاقوں تک پھیل گئی۔ ہر طبقہ کے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے۔ جو شخص محفل میں بیٹھتا، فریفتہ ہو جاتا۔ ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ دلّی میں قیام کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ آپ کے عقیدت مند شیخ الاسلام مولانا جمال الدین بسطامی انتقال فرما گئے، سلطان شمس الدین التمش نے حضرت بختیار کاکیؒ سے شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کرنے کی استدعا کی لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔

اس دوران حضرت بختیار کاکیؒ نے ایک بار پھر پیرو مرشد سے قدم بوسی کی اجازت چاہی۔ مکتوب کے جواب میں مرشد نے فرمایا—

''اگرچہ ظاہر میں دوری ہے لیکن روحانی طور پر میں قریب موجود ہوں۔''

تھوڑے عرصہ بعد خواجہ غریب نوازؒ بہ نفس نفیس دلّی تشریف لائے اور خواجہ بختیارؒ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ حضرت قطبؒ نے اپنے مریدوں کو خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

حضرت بختیار کاکیؒ کے مریدین میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو دیکھ کر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا،

''اے قطب تم نے شہباز کو دامن میں اسیر کیا ہے۔''

خواجہ غریب نوازؒ کے آخری ایام میں جب ملاقات کی اجازت کے بعد اجمیر پہنچے تو مرشد نے مرید کو خلافت سونپی اور نصیحت فرمائی کہ چار باتیں بڑی خوبی کی ہیں، ان پر عمل کرنا خیر و برکت ہے۔

۱۔ ایسی درویشی جس سے تونگری ظاہر ہو۔

۲۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

۳۔ غم کی حالت میں خوشی کا اظہار کرنا۔

۴۔ جو دشمنی سے پیش آئے جواب میں دوستی کا مظاہرہ کرنا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، پیرو مرشد سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ سے رخصت لے کر دلّی آئے اور بقیہ عمر وہیں گزاری۔

حضرت بختیار کاکیؒ حفظ مراتب کا حتی المقدور خیال رکھتے تھے۔ زہد و ریاضت کو مخفی رکھتے۔ مریدوں کو بھی کیفیات چھپانے کی تاکید تھی، خصوصاً کرامت ظاہر کرنے کی سختی سے ممانعت تھی۔

ایک مجلس میں آپ کے خلیفۂ خاص شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے کسی کام کے لئے کرامت کی اجازت چاہی۔ خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا،

''جس چیز سے عوام میں شہرت کا اندیشہ ہو وہ باعث مصیبت ہے۔ ہمارے سلسلہ میں ایسی باتوں کی ممانعت ہے۔''

حضرت فرید الدینؒ کو بہت افسوس ہوا۔ بار بار دہراتے تھے کہ ایسی بات کیوں کی جو مرشد کو ناگوار ہوئی۔

ایک روز خواجہ قطب الدینؒ نے فرمایا،

''جس کسی نے حق کی راہ میں استقامت دکھائی اور

منزل مقصود تک پہنچا اور جس کی زبان اس کے عمل کے موافق رہی اور اپنی زبان خدا کی تعریف و توصیف میں رکھی تو گویا اس نے ذات احد سے باتیں کیں اور اپنی آنکھ سے اس کا جمال دیکھا اور حقیقی طور پر بینا ہوا۔ جس نے اس کی وحدت کی شراب پی وہ مرد کامل ہوا اور اس میں مستی پیدا ہوئی اور اس کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہوا، جس نے زمین و آسمان کو ہلا دیا۔''

سلطان شمس الدین التمش نیک صفت اور اولیائے کرام سے عقیدت رکھنے والا حکم ران تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ دلّی شہر کے باہر پانی کا حوض تعمیر کروایا جائے تاکہ پانی کی قلت کا مسئلہ حل ہو۔

خواب میں سرکار دو عالمؐ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور پاکؐ گھوڑے پر تشریف فرما، ایک مقام پر کھڑے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

''اے شمس الدین! اس جگہ پر لوگوں کے لئے پانی کا حوض بنوا دو۔''

صبح خادم کو حضرت بختیار کاکیؒ کی جانب روانہ کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے، اجازت ہو تو خدمت میں حاضر ہو کر خواب عرض کروں۔

حضرت بختیارؒ نے فرمایا، سلطان سے کہہ دو کہ میں بھی اس مقام پر جا رہا ہوں، تم بھی پہنچ جاؤ۔

سلطان نے جان لیا کہ قطب صاحبؒ نورِ باطن کے ذریعے خواب سے واقف ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پہلے سے موجود ہیں۔

حوض کی تعمیر شروع ہوئی جو آج بھی اس مقام پر ہے۔

ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا اور غربت و افلاس کا شکوہ کیا۔ خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا، اگر میں یہ کہوں کہ میری نگاہ عرش تک پہنچتی ہے تو یقین کر لو گے؟

عرض کیا، میرا اعتقاد اس سے زیادہ ہے۔

فرمایا، جب اس قدر یقین رکھتے ہو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ چاندی کے اسّی سکے جو تم نے گھر میں چھپا رکھے ہیں پہلے ان کو خرچ کر لو پھر اپنی غربت کی شکایت کرنا۔

وفات سے پہلے جائے مدفن پسند کر لی تھی۔ ایک روز اس زمین پر پہنچ کر بہت دیر تک کھڑے رہے۔ اعزہ و اقربا ہمراہ تھے۔ فرمایا— مجھے زمین کے اس حصہ سے پاک باطن لوگوں کی خوش بو آتی ہے، دل چاہتا ہے کہ یہ جگہ میرا مدفن بنے۔ آپ نے زمین کے مالک کو بلایا اور وہ حصہ خرید کر وہاں تدفین کی وصیت کی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے مرشد سے ہانسی جانے کے لئے اجازت چاہی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو آپ سے نہایت محبت تھی، آب دیدہ ہوئے اور فرمایا، اے فرید! تو جائے گا؟

عرض کیا، جو پیر و مرشد کا حکم ہو۔

فرمایا— جا تیری تقدیر نہیں چاہتی کہ تو میرے انتقال کے وقت موجود ہو۔ میں بھی اپنے مرشد کے انتقال کے وقت حاضر نہیں تھا۔

آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تیرا شمار بزرگوں اور مشائخ میں کرے اور استقامت عطا فرمائے۔آپ نے بابا فرید گنج شکرؒ کو جانشین مقرر فرمایا۔

حضرت قطب الدینؒ کو سماع سے بے حد رغبت تھی۔ ایک روز شیخ علی سنجریؒ کی خانقاہ میں محفل سماع میں شریک تھے۔کلام سن کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کیف میں آئے۔اس کے بعد احمد جامؒ کی غزل گائی گئی اور اس شعر کو سن کر حضرت بختیارؒ پر وجد طاری ہو گیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگر است

ترجمہ: تسلیم و رضا کے خنجر سے قربان ہونے والی ہستیوں کو ہر آن غیب سے نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔

محفل سماع تین روز تک جاری رہی اور حضرت بختیار کاکیؒ پر یہ کیفیت قائم رہی۔نبض دیکھ کر حکیم نے کہا، ''یہ مرض عشق ہے۔آتش عشق نے دل و جگر کو جلا دیا ہے،اب علاج کی گنجائش نہیں۔''

ایک عقیدت مند بدرالدین غزنوی بتاتے ہیں کہ جس رات حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا وصال ہوا، میں نے ان کے دونوں پاؤں تھامے ہوئے تھے۔غنودگی کے باعث آنکھیں بند ہوئیں تو دیکھا کہ وہ آسمان کی جانب پرواز کر رہے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں—

''اے بدرالدین!اللہ کے دوستوں کو موت نہیں ہوتی۔''

دو آدمی جھنڈے کے ہوا میں لہرانے پر بحث کر رہے تھے۔ایک بولا، جھنڈا حرکت نہیں کرتا، درحقیقت یہ ہوا ہے جو حرکت کر رہی ہے۔دوسرے نے اعتراض کرتے ہوئے دلیل پیش کی، نہیں! ہوا نہیں — یہ جھنڈا ہے جو حرکت میں ہے۔اس اثنا میں ایک عارف کا وہاں سے گزر ہوا۔دونوں کو بحث کرتے سنا تو مداخلت کی اور کہا، دوستو! جھنڈا حرکت میں ہے نہ ہوا— یہ ذہن ہے جو حرکت کرتا ہے۔

جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ان کی روح قفس عنصری سے رشتہ توڑ چکی تھی۔

وصال کی خبر سے دلّی میں کہرام مچ گیا۔سلطان شمس الدین التمش سمیت خاص و عام سب نے بڑی تعداد میں نماز جنازہ میں شرکت کی۔

محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت بختیار کاکیؒ کے مزار پر گیا۔دوران فاتحہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ نہیں معلوم حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو میرے آنے کا علم ہے یا نہیں۔خیال آتے ہی مزار سے آواز آئی —

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجان گر تو آئی زتن

ترجمہ: مجھے بالکل اپنی طرح سمجھ۔اگر تو جسم سے میرے پاس آئے گا تو میں جان کے ساتھ آؤں گا۔

عید قربان

زیادہ درجہ حرارت پر گوشت پکانے اور ایسا گوشت کھانے سے گریز کیا جائے۔ جب چین کے باشندوں نے اپنی خوراک کا زیادہ تر حصہ گوشت کو بنایا تو زائد استعمال سے مضر اثرات کے تحت ان کے یہاں موٹاپے، دل کے عوارض، چھاتی کے سرطان سمیت کئی امراض کی شرح بلند ہوگئی۔

عید الاضحیٰ ــــ دس ذو الحج کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی عظیم اور بے مثال قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ قربانی کا فریضہ ہر مسلمان صاحبِ نصاب پر واجب ہے۔ قربانی کے لئے حکم ہے کہ جانور موٹا تازہ، صحت منداور بے عیب ہو۔ خصی جانور زیادہ پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ تاہم جانور چاہے کتنا ہی فربہ اور صحت مند ہی کیوں نہ ہو، اگر کسی قسم کی معذوری ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

اسی طرح جانور ذبح کرنے کا حکم کئی قسم کے خطرناک امراض سے محفوظ رہنے کا ضامن ہے۔ ذبح کی شرائط کے مطابق جانور کی چاروں رگوں کا کاٹنا ضروری ہے یعنی نرخرے کی نالی، غذا کی نالی، گردن کے دونوں اطراف کی شریانیں جنہیں عرف عام میں شہ رگ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ جب تک ذبیحہ میں سانس باقی ہو، دیگر اعضا نہ کاٹے جائیں۔ بلاشبہ دین اسلام کے ہر کام میں حکمت ہے۔

طبی نقطۂ نگاہ سے اگر ذبیحہ میں سانس باقی ہو اور جسم سے مکمل طور پر خون کا اخراج نہ ہوا ہو تو جانور کی تکلیف دہ موت سے جسم کے اندر ''ہسٹامین'' نامی مادہ کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔ نتیجہ میں جانور کا گوشت زہریلا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا قربانی کا جانور کاٹنے کے حوالہ سے جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

قربانی کے فریضہ کی انجام دہی ہو جائے تو دین اسلام کے فرمان ''صفائی نصف ایمان ہے'' کے مطابق جانور کے خون اور آلائش وغیرہ کو درست طریقہ سے ٹھکانے لگا دیں۔ یعنی جس جگہ خون گرا ہو، خوب اچھی طرح پانی سے دھو لیں اور آلائش کو زمین میں دبا دیں تاکہ گندگی وغلاظت اور جراثیم کو پھیلنے کا موقع نہ ملے جب کہ زمین کو کھاد میسر آجائے۔

قربانی کے بعد گوشت کے حصے کئے جاتے ہیں۔ طبی ماہرین گوشت کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی

عضلاتی گوشت، اندرونی اعضا کا گوشت، ہڈیاں اور مغز۔ اس میں شک نہیں کہ گوشت صحت کے اعتبار سے اچھی غذا اور نعمت ہے لیکن زائد استعمال بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے۔ جانور کا مغز بنیادی طور پر چربی سے لبریز ہوتا ہے۔ نیز اس میں کولیسٹرول زائد مقدار میں پایا جاتا ہے لہٰذا مغز کے استعمال میں احتیاط برتی جائے۔

اندرونی اعضا کے گوشت میں دل، جگر، تلی اور گردے وغیرہ شامل ہیں۔ تلی اور جگر میں خون زائد مقدار میں جمع رہنے کے ساتھ وٹامنز، فولاد، کولیسٹرول اور پروٹین خاصی مقدار میں پائی جاتی ہے اس لئے کھانے میں اعتدال ضروری ہے۔ زائد استعمال سینہ کی جلن، تیزابیت، پیٹ کے درد، لبلبہ اور معدہ کی خرابی کا موجب ہے۔

خدانخواستہ ایک بار اس تکلیف کا شکار ہو جائیں تو پھر ہفتوں اثر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معالجین جانور کے اندرونی اعضا کے گوشت کو مناسب مقدار میں استعمال کئے جانے پر زور دیتے ہیں۔ عضلاتی گوشت میں پروٹین، فولاد، کولیسٹرول اور دیگر اجزا مناسب مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ جانور کی ساخت کے اعتبار سے گوشت کے پروٹینز بھی مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ان کا زائد استعمال بھی طبی مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔

گوشت معدہ میں جاتا ہے تو تیزاب کا سامنا ہوتا ہے۔ چوں کہ یہاں گوشت کو ہضم ہونے میں وقت لگتا ہے، اس دوران سینہ میں جلن شروع ہو جاتی ہے۔ گوشت کے زائد استعمال سے قبض کی شکایت ہو جاتی ہے اور کولیسٹرول، یورک ایسڈ اور فولاد کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عید کے پہلے روز سے تقریباً ایک ماہ تک بدپرہیزی کے سبب پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوسری جانب اس پہلو سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ آج کل ڈیری فارمنگ اور کیٹل فارمنگ میں جانوروں کی افزائش کے لئے انہیں مضر اجزا پر مشتمل غذا دی جاتی ہے اور فربہ کرنے کے لئے مختلف طرح کے انجکشن لگائے جاتے ہیں اس طرح جانوروں کے گوشت میں ادویہ کے مضر اثرات پائے جاتے ہیں۔ چوں کہ سال بھر اتنی مقدار میں گوشت کا استعمال نہیں ہوتا جتنا عید قربان کے ابتدائی دنوں میں کیا جاتا ہے لہٰذا روزمرہ کے غذائی شیڈول میں زائد گوشت کا استعمال اعضا کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔ عموماً عید قربان کے موقع پر گوشت کے پکوان تیار کرنے کے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں ان کی وجہ سے گوشت کے کئی مفید اجزا ضائع ہو جاتے ہیں اور گوشت مضر صحت ہو جاتا ہے۔

گوشت خوری کے سبب کئی ایسے عوارض جو زیادہ تر عمر رسیدہ افراد کو لاحق ہوتے تھے، اب کم عمر افراد بھی ان کا شکار ہیں مثلاً بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) اور قلب کے عوارض وغیرہ۔ نیز گوشت میں موجود purines کے باعث گٹھیا کا عارضہ لاحق ہونے کے

امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

تازہ ترین تحقیق کے مطابق عضلاتی گوشت کھانے سے جسم کی بافتوں میں ایک سالمہ (مالیکیول) داخل ہو جاتا ہے جو سرطان یا عارضۂ قلب کا موجب بن سکتا ہے۔ عام طور پر عیدالاضحیٰ پر باربی کیو پارٹیوں وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے! خوراک میں باربی کیو گوشت کی زائد مقدار سے گردہ کے سرطان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

ایک نئی تحقیق کے مطابق کھلے شعلوں اور تیز آنچ پر گوشت پکانے سے گوشت سرطان کا سبب بننے والے مادے پیدا کرتا ہے۔ آدمی کے جسم میں سرطان کا موجب بننے والے مادوں کو طبی اصطلاح میں کارسینو جینک کہا جاتا ہے۔ سائنسی جریدہ ''کینسر'' میں شامل ایک رپورٹ کے مطابق جب گوشت گرل کیا جاتا ہے تو یہ کارسینوجینک مادہ پی ایچ ایل پی (PhlP) اور میل کیو ایکس (melQX) پیدا کرتا ہے جو جسم کے جینیات پر حملہ آور ہو کر میٹا بولزم کو متاثر کر دیتا ہے اور نتیجہ سرطان کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

یونی ورسٹی آف ٹیکساس سے وابستہ ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق جب گوشت گرل کیا جاتا ہے یا تیز آنچ پر فرائی کرتے ہوئے سرخ کیا جائے تو گردہ کے سرطان کی ایک قسم ''رینل سیل کارسینوما'' کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

طبی ماہرین کے مطابق کھلے شعلوں پر زیادہ درجہ حرارت پر گوشت پکانے اور ایسا گوشت کھانے سے گریز کیا جائے۔ گوشت کے زائد استعمال کے مضر اثرات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب چین کے باشندوں نے اپنی خوراک کا زیادہ تر حصہ گوشت کو بنایا تو ان کے یہاں موٹاپے، دل کے عوارض، چھاتی کے سرطان سمیت کئی امراض کی شرح بلند ہو گئی۔

امریکن کینسر سوسائٹی نے گوشت کا زائد استعمال کرنے کے حوالہ سے تحقیق کی۔ اس کے مطابق جو افراد گوشت کا زائد استعمال کرتے ہیں ان میں سرطان کا خطرہ اعتدال میں گوشت کھانے والوں کی نسبت 30 سے 40 فی صد زائد ہو جاتا ہے۔ لیکن ہفتہ میں دو روز یومیہ دو اونس یا اس سے کم مقدار میں گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ یہ مقدار مضر اثرات کا سبب نہیں بنتی۔

دین اسلام میں قربانی کے گوشت کے حصے کئے گئے ہیں تاکہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور وہ مستحق افراد جو سال بھر میں چند روز گوشت کھاتے ہیں یا بالکل محروم رہتے ہیں، وہ بھی اس نعمت خداوندی سے مستفید ہوں۔

دیگر کھانے کی اشیا کی نسبت گوشت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ حصہ جو مذہبی اصولوں کے مطابق آپ کے لئے مختص کیا گیا ہے، اس کا کچھ حصہ محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو چند باتوں کا خیال رکھیں۔ چوں کہ گوشت خاص طور پر بیکٹیریا کے لئے لذیذ غذا ہے، اسے فوراً فریز کر دینا چاہئے۔ کم درجہ حرارت پر خامرے (انزائمز) اپنا کام روک دیتے ہیں اور اکثر مر جاتے

ہیں۔ گوشت کو محفوظ کرتے ہوئے کاغذ یا کپڑے میں لپیٹ کر رکھا جائے تا کہ ہوا کے ذریعے آکسیجن داخل ہو نہ انزائمز یعنی خامرے خراب کریں کیوں کہ بیکٹیریا ٹھنڈی جگہ پر اور بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ پاتے۔

تاہم ایک بات کا خاص دھیان رہے، اگر گوشت کاغذ میں لپیٹ کر محفوظ کرنا مقصود ہو تو سادہ کاغذ کا استعمال بہتر ہے۔ روشنائی والا کاغذ (اخباری کاغذ) مضر صحت ہوتا ہے۔ کپڑے میں رکھ کر محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو کپڑا سوتی اور سفید رنگ کا ہو۔

تمام تر گفتگو کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ آپ گوشت کا استعمال ترک کر دیں۔ گوشت کے استعمال میں اعتدال متعدد عوارض سے محفوظ رکھتا ہے۔ کوئی غذا چاہے کتنی اچھی کیوں نہ ہو، زیادتی نقصان دہ ہے کیوں کہ قدرت کے نظام میں ہر شے توازن میں ہے۔

عید قربان ایسا موقع ہے جس میں قربانی کی حکمت کو سمجھنا ضروری ہے۔ قربانی کا مطلب ایثار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر محبوب شے کو اللہ کی محبت پر قربان کر دیا جائے۔ نیکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ کو اللہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہو۔

عیدالاضحیٰ اس بات کا پیغام دیتی ہے کہ بقا کی حقیقت سے واقف ہونا ہے تو ایثار کو زندگی بنالیں اس لئے کہ کائنات کا نظام ایثار پر قائم ہے۔ یہ وہ طرز عمل ہے جس کے ذریعے فرد اپنی نفی کرنا سیکھتا ہے۔

بندروں کا درخت پر چڑھنا سنا تھا لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ ملک مراکش (موروکو) میں ایسی بکریاں پائی جاتی ہیں جو مہارت سے آرگانیا کے درختوں کی نازک شاخوں پر چڑھتی ہیں اور اس کا پھل بہت شوق سے کھاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یا تو بکریاں پھل کھا کر اسی وقت بیج پھینک دیتی ہیں یا بیج نگل لیتی ہیں جو فضلہ میں شامل ہو کر صحیح و سالم مینگنیوں کی صورت میں خارج ہو جاتے ہیں اور درخت کی افزائش میں معاون بنتے ہیں۔

آرگانیا کا درخت مراکش میں پایا جاتا ہے۔ کانٹے دار ہے، طوالت تقریباً تیس فٹ ہے۔ سخت گرمی میں بڑھتا ہے۔ بیج سے قیمتی تیل حاصل کیا جاتا ہے جو زیتون کے تیل سے مماثلت رکھتا ہے کیوں کہ اس میں چکنائی کا تناسب کم و بیش زیتون جیسا ہے۔ آرگان آئل کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک کھانوں میں اور دوسری قسم مقامی خواتین جلد پر لگانے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

تاریخ اور کردار

ان صاحب کے ہاتھ میں کینو تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے کھڑے کھڑے کینو چھیلا اور ایک کے بعد ایک کینو کا چھلکا زمین پر گرتا گیا۔ ان کی تقریر جاری تھی اور گروپ میں کھڑے باقی افراد ششدر ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

شعوری ادوار کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک دور یہ ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ یہ دور جب وقت کی گہرائیوں میں گم ہو جاتا ہے تو ہم اسے ماضی سمجھ کر فراموش کر دیتے ہیں اور جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ ماضی کہاں گیا۔

گزرا ہوا وقت ''یاد'' بن کر اکثر ذہن پر دستک دیتا ہے۔ یاد بھی ایک میکانزم ہے۔ لغت میں اس کے معنی کسی نام کی تکرار، تسبیح، خیال، قوت حافظہ، یادداشت کے ہیں۔ اور یاد آنا کے معنی — خیال میں آنا، ذہن میں آنا، خبر پڑنا، ذہن نشین ہونا کے ہیں۔

غور کیا جائے تو یاد دراصل خیال ہے۔ یاد ہو یا خیال — نام مختلف لیکن فعل ایک ہے۔ ان تمام معانی کو ذہن میں رکھ کر لفظ یاد کو سمجھنا چاہیں تو کہیں گے کہ یاد یا خیال — یادداشت میں موجود شے کی نشان دہی ہے۔ یعنی جو خیال ہمیں آتا ہے وہ یادداشت میں محفوظ ہے۔ یادداشت خود کہاں پر محفوظ ہے — قارئین اس پر غور کریں۔

ایک زمانہ وہ ہے جو آیا نہیں لیکن وہ بھی یاد آتا ہے یا ذہن میں اکثر و بیش تر اس کا خیال آجاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جسے ہم آنے والا زمانہ کہتے ہیں وہ بھی کہیں محفوظ ہے۔ اسی طرح جس کو حال کہا جاتا ہے وہ بھی خیال کے تابع ہے اور خیال کہیں موجود ہے۔

انسان کے اندر موجود آدمی نے جب سے آنکھ کھولی ہے وہ زمانہ کے تغیر میں گم ہے۔ حیات و کائنات کے کچھ اسرار عیاں ہو جاتے ہیں اور بہت سے عیاں ہو کر بھی نظر انداز ہیں۔ تاریخ یہ ہے کہ ہر تہذیب عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو جاتی ہے اور اقتدار نئی قوم کو منتقل ہوتا ہے — گزشتہ قوم گم نام ہو جاتی ہے۔

زندگی آزاد ہے لیکن پیمانوں میں گزرتی ہے۔ عروج و زوال کے بھی پیمانے ہیں اور ان پیمانوں کا دارومدار رویوں پر ہے۔ ہر ایک نے اپنے ذہن میں کچھ پیمانے

مقرر کئے ہیں جن سے وہ چیزوں کی، رشتوں کی اور جذبات کی پیائش کرتا ہے۔

ہم نے ہر شے کی قیمت مقرر کر رکھی ہے جس سے ناپ تول کرتے ہیں اور نفع نقصان کا اندازہ لگاتے ہیں۔ غور کریں تو ہمارا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں پیائش نہ ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کسی نے ایسا کیوں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ویسا نہیں ہوا جیسا ہم چاہتے تھے یا ہمارے خیال میں ہونا چاہئے تھا۔ ہم نے ایک پیمانہ بنایا تھا جس پر وہ شخص پورا نہیں اترا۔ یہاں سے اچھائی اور برائی کا معیار شروع ہوجاتا ہے اور سوچ میں بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ سوچ سے شخصیت، شخصیت سے گھر، گھر سے معاشرہ اور معاشرہ سے قوم متاثر ہوتی ہے۔ ہر فرد انفرادیت کے ساتھ اجتماعی نظام سے منسلک ہے۔ اس کا فعل محض اسے متاثر نہیں کرتا، عمل کی لہریں معاشرہ میں پھیلتی ہیں۔ ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ ہم کس طرح معاشرہ میں تبدیلی کا سبب بن رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو جو شے عطا ہوتی ہے وہ مقداروں میں رہ کر بھی لامحدود ہے، آدمی پیائش نہیں کرسکتا۔ جیسے بارش — بارش کی مقداریں مقرر ہیں کہ کس مقام پر پانی کے کتنے قطرے گریں گے، اس کے باوجود ہم قطروں کو گن نہیں سکتے۔ اور پھر بارش کسی ایک فرد یا نوع کو نہیں، ہر نوع کو سیراب کرتی ہے۔

ہزاروں لاکھوں برس سے آدمی زمین اور دوسرے سیاروں پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ قدرت کی نعمتوں سے استفادہ کرتا ہے اور یہ نعمتیں مفت میسر ہیں۔ ہوا، روشنی، پانی، دھاتیں، معدنیات، خودکار جسمانی نظام، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت — کون سی چیز ایسی ہے جس کے ہم پیسے دیتے ہیں —؟ قدرت نے جو شے دی ہے اس میں تقسیم یا بانٹنے کا نظام رکھا ہے۔ بانٹنے سے شے گردش میں رہتی ہے اور دائرہ بنتا ہے۔ یعنی جس کے پاس جو ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر غاصب ہونے کے بجائے دوسروں کی مدد کرے، ان کا حق ادا کرے۔ مثلاً زکوٰۃ کے نظام سے فلاحی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ صدقات و خیرات اور ضرورت مند کی حاجت پوری کرنا حقوق العباد ہے۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر قوانین قدرت کے برخلاف عمل سے تخریب پھیل گئی ہے اور ہر فرد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ ایسے میں دوسروں کو موردالزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے اندر دیکھنا چاہئے کہ معاشرہ کو اس جگہ تک پہنچانے کے لئے ہم نے کیا کردار کیا ہے۔

اندرون سندھ کے پرفضا مقام پر ایک جھیل کے کنارے چند افراد کھڑے بات کر رہے تھے۔ سب پڑھے لکھے اور ابلاغی نظام کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے۔ موضوع معاشرہ کی زبوں حالی اور لوگوں کی تربیت تھا۔ بات آلودگی پھیلانے اور کراچی میں جگہ جگہ گندگی اور کچرا کنڈی پر آپہنچی۔ سب جھیل میں آلودگی کے حوالہ

سے آگاہی پھیلانے یہاں جمع ہوئے تھے۔جھیل میں پانی کی سطح اس حد تک کم ہوگئی تھی کہ مائگریٹنگ برڈز کی تعداد یہاں پر ہر سال کم سے کم ہوتی جارہی تھی جب کہ پانی بھی پہلے جیسا شفاف نہیں تھا۔

ایک صاحب کے ہاتھ میں کینو تھا۔ساتھ میں ان کا تین سال کا بچہ کھڑا تھا۔گندگی نہ پھیلانے اور صفائی رکھنے پر انہوں نے زبردست قسم کے دلائل دیئے۔دیگر افراد ان کی ذہانت سے متاثر ہوئے۔ان صاحب کے ہاتھ میں کینو تھا۔تھوڑی دیر بعد انہوں نے کھڑے کھڑے کینو چھیلا اور ایک کے بعد ایک کینو کا چھلکا زمین پر گرتا گیا۔ان کی تقریر جاری تھی اور گروپ میں کھڑے باقی افراد ششدر ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ساتھ کھڑے تین سال کے بچے نے باپ سے کیا سیکھا ہوگا یہ سوال ہم پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں لیکن اس فرد کا طرز عمل معاشرہ کی تصویر تھا۔

یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوا جاسکتا کہ یہ صرف اس فرد کا طرز عمل تھا۔طریقہ مختلف ہوسکتا ہے لیکن کم وبیش ہمارا طرز عمل بھی اس فرد جیسا ہے۔غلط بات کرنے اور غلط بات سوچنے سے ماحول میں تعفن پھیلتا ہے جو ذہنوں کو متاثر کرتا ہے۔تعفن زدہ ذہن ہی معاشرہ میں تعفن پھیلاتا ہے۔جس جھیل کی خبر دنیا کو دینے کے لئے وہ لوگ وہاں جمع ہوئے تھے،اس کی تباہی میں اپنا حصہ ڈال کر واپس وہاں سے آئے۔گروپ میں کھڑے دیگر افراد میں سے کوئی ایک بھی ان صاحب کو یہ نہ کہہ سکا کہ یہ تم نے کیا کیا۔شاید یہ بھی ایک ایسا طرز عمل ہے جس نے بگاڑ میں سب کو حصہ دار بنادیا ہے۔

سادھو کبیر کہتے ہیں کہ دنیا میں باتیں کرنا بے کار ہے، اصل جوہر عمل ہے۔کبیر کہتا ہے کہ عمل قوی چیز ہے،اس سے دنیا کا سمندر عبور کیا جاسکتا ہے۔

زمین کی بقا میں ہماری بقا ہے۔ہم زمین سے پیدا ہوتے ہیں، ہماری نشوونما کے لئے وسائل زمین کے پیٹ میں پرورش پاتے ہیں۔وسائل انفرادیت میں پھل، سبزیاں اور گوشت ہیں لیکن اجتماعیت میں زمین ہیں کیوں کہ زمین کے اجزا اس میں موجود ہیں۔جب تک ہم خود کو ایک فرد کے بجائے — زمین نہیں سمجھیں گے، زمین کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔

''کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں،سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔'' (الحج:۴۶)

سوچ میں تخریب اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم اپنے اندر دیکھنے کے بجائے ادھر ادھر دیکھتے ہیں۔بہت سے خواتین وحضرات نے عظیمی صاحب کو خطوط لکھے یا بالمشافہ ملاقات میں عرض کیا کہ بچے نافرمان ہیں۔ہم اپنے بچوں کی تربیت کیسے کریں—؟

عظیمی صاحب نے فرمایا:''بچے ماں باپ کا عکس ہیں، ان کی کاربن کاپی ہوتے ہیں۔بچے وہی کرتے

ہیں جو ماں باپ کو کرتا دیکھتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کے لئے ضروری ہے ماں باپ اپنی اصلاح کریں، بچوں کی تربیت خود بخود ہو جائے گی۔''

کیا کبھی آپ نے صلوٰۃ قائم کرنے کی کیفیت پر غور کیا ہے — گیانی کو دھیان کرتے دیکھا ہے — کسی مراقب کو غور سے دیکھا ہے — مضمون نگار کی توجہ لکھتے وقت کہاں ہوتی ہے — مصور کینوس پر عکس کہاں سے منتقل کرتا ہے — مقرر تقریر کے نکات ذہن نشین کیوں کرتا ہے — امتحان کی تیاری کرتے وقت بچے سبق حافظہ میں محفوظ کیوں کرتے ہیں — سب لوگ کہاں دیکھتے ہیں — کوئی بھی کام کرتے وقت ہم سب سے پہلے کہاں اور کس سے رابطہ کرتے ہیں —؟

اندر سے رابطہ کرتے ہیں! کامیاب وہ ہے جو اپنے اندر دیکھتا ہے۔ دوسروں کو پیمائشی آلہ سے دیکھنے کے بجائے اپنا محاسبہ کرتا ہے کہ میرے اندر کیا ہے۔

دنیا کی تاریخ پر غور کریں تو ہر دور نے خود کو دہرایا ہے۔ عروج کی داستان بھی ایک ہے اور زوال کے محرکات بھی۔ زمانہ ایک ہے لیکن وقفوں میں تقسیم ہے۔ آدمی جس زمانہ کو یاد کرتا ہے، وہ آموجود ہوتا ہے۔ یاد میں گہرائی پیدا ہو تو اس میں داخل ہو جاتا ہے اور خود کو ماضی یا مستقبل میں چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔

مئی 2017ء کے ''آج کی بات'' میں لکھا ہے:

''ہمارے ذہن میں ماضی کا تصور گزر جانے والا طویل زمانہ ہے جب کہ ماضی طویل نہیں ہے۔ آنکھیں بند کر کے بچپن کا تصور کیجئے۔ کھلونے کے ساتھ کھیلتے یا اسکول یونی فارم میں بچپن کی حرکت کرتی ہوئی تصویر نظر آئے گی۔ ادراک ہوگا کہ وہ دنیا گزر جانے کے باوجود موجود اور سفر میں ہے۔ ماضی کا تصور کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ فلم دیکھ رہے ہیں جب کہ ماضی فلم ہے۔ تصور میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اور دیکھنے والا اس دور میں داخل ہو کر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ فلم دیکھ رہا ہے۔ وہ خود کو فلم کا حصہ سمجھتا ہے۔ تصور قائم نہ رہنے پر احساس ہوتا ہے کہ ماضی تصورات کا ریکارڈ اور ہم خود ناظر ہیں۔ ماضی کی طرح حال بھی پروجیکٹر پر لگی ہوئی فلم ہے۔ فلم دیکھتے ہوئے کیفیات طاری ہو جاتی ہیں اور ڈھائی گھنٹے بعد فلم ختم ہوتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ فلم الگ اور فلم دیکھنے والا الگ ہے۔ ناظر اسکرین پر حرکت کرتی ہوئی تصویر دیکھ رہا ہے لیکن جب اس کا ذہن اسکرین کو دیکھنے میں یک سو ہوا تو وہ ذہنی طور پر ان تصویروں میں داخل ہو گیا اور مناظر کے مطابق کیفیت تبدیل ہوتی رہی۔''

ازل تا ابد ایک ریکارڈ ہے، ایسا ریکارڈ جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ کائنات میں زندگی دو زاویوں میں تقسیم ہے۔ ایک زاویہ فلاح و بہبود، راحت جان، سکون قلب اور مستغنی ہونا ہے۔ مستغنی ہونے سے مراد قلب و جان کی مسرت اور خوشی ہے۔

دوسرا زاویہ سرکشی، نافرمانی اور بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے، جنت میں رہو اور کھاؤ پیو جہاں سے چاہو خوش ہو کر۔ اگر اس کے خلاف عمل ہوا تو مسرت و شادمانی سے دور ہو جاؤ گے۔ ہر مخلوق بالخصوص انسان اس امر کا پابند ہے کہ ''جہاں سے جی چاہے'' خوش ہو کر کھائے پیئے اور جس راستہ پر چلنے سے منع کیا گیا ہے، اس راستہ کو اختیار نہ کرے اس لئے کہ اللہ کی نافرمانی، بغاوت ہے۔

مضمون — کی ابتدا ماضی، حال اور مستقبل سے ہوئی۔ ممکن ہے کہ آگے پڑھ کر قاری کو ایسا لگا ہو کہ زمانے مغلوب اور کردار غالب آ گئے جن کا تعلق ماضی حال اور مستقبل سے نہیں ہے۔ یہ مختصر مضمون کسی بھی زاویہ سے تین زمانوں سے الگ نہیں ہے۔ اس میں موجود کردار ہر دور میں پائے جاتے ہیں اور ان کے طرز عمل سے تاریخ بنتی ہے۔

جب ہم اپنی زندگی پر غور کرتے ہیں تو سفر تین راستوں پر شروع ہوتا ہے۔ حاکم، محکوم، تعمیل۔ تخلیق کائنات پر تفکر کیا جائے تو ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ خالق — مخلوق — تعمیل۔ تعمیل اطاعت اور عدم تعمیل بغاوت ہے۔ انسان اگر ان تینوں رخوں پر تفکر کرے تو بالآخر فیصلہ یہ ہوگا کہ تعمیل نجات ہے اور عدم تعمیل ہلاکت ہے۔ کائنات کی تخلیق پر غور کیا جائے تو روشن راستہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ حکم کو سنا جائے اور اس کی تعمیل کی جائے۔

ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد

آفت ہے یوں جہاں میں اہلِ ہوس کے گرد
ہو عنکبوت گھات میں جیسے *مگس کے گرد

پھولوں کا ڈھیر روز لگاتے ہیں گل فروش
رہتا ہے پھول والوں کا میلا *قفس کے گرد

گھیرے ہیں درد و غم دلِ نالاں کو عشق میں
یہ قافلہ کا قافلہ ہے اس *جرس کے گرد

گھیرے ہیں تیغ یار کو ایذا کشانِ عشق
مظلوموں کا ہجوم ہے فریاد رس کے گرد

سر پھر گیا کسی کی پلک یاد آ گئی
دیکھا کبھی بھنور کو جو چکر میں خس کے گرد

عالم تمام بحث عقول عشر میں ہے
کیا سیر ہے کہ ایک زمانہ ہے دس کے گرد

سودائے زلف میں، میں عزیز جہاں ہوا
ایسا مزہ ملا کہ پھرا سانپ ڈس کے گرد

حسرت ہے دید گنبد مولاؑ کی اے امیرؔ
آنکھوں کی پتلیاں ہوں تصدق *کلس کے گرد

آفت ہے یوں جہاں میں اہل ہوس کے گرد
ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد

(کلام: امیرؔ مینائی)

مگس = مکھی قفس = قید
جرس = گھنٹی کلس = گنبد کا نوک دار حصہ

Manufacturer of
Embroidery Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

ذوالقرنین

روایت یہ ہے کہ جہاں زمین کی حد ختم ہوتی ہے وہاں پہاڑوں کی ایک جانب یاجوج، ماجوج کی قوم آباد ہے اور دوسری جانب ایک عابد وزاہد قوم آباد ہے، اس قوم میں بڑے دانا اور حکیم بھی موجود ہیں۔

یاجوج ماجوج:

''اور اے محمدؐ! یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہے، ان سے کہو کہ اس کا کچھ حال تم کو سناتا ہوں۔ ہم نے اسے زمین میں اقتدار عطا کر رکھا تھا اور اسے ہر قسم کے اسباب ووسائل بخشے تھے، اس نے پہلے (مغرب کی طرف ایک مہم کا) سروسامان کیا، حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گیا تو اس نے سورج کو ایک کالے پانی میں ڈوبتے دیکھا اور وہاں اسے ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا، اے ذوالقرنین! تجھے یہ قدرت حاصل ہے کہ تو ان کو تکلیف پہنچائے اور یہ بھی کہ ان کے ساتھ نیک رویہ اختیار کرے۔ اس نے کہا جو ان میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا اور وہ اسے اور زیادہ سخت عذاب دے گا اور جو ان میں سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کے لئے اچھی جزا ہے اور ہم اس کو نرم احکام دیں گے۔ پھر اس نے (ایک دوسری مہم کی) تیاری کی یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی حد تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لئے دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان ہم نے نہیں کیا ہے۔ یہ حال تھا ان کا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اسے ہم جانتے تھے۔ پھر اس نے (ایک اور مہم کا) سامان کیا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان کے پاس ایک قوم ملی جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم تجھے کوئی ٹیکس اس کام کے لئے دیں کہ تو ان کے اور ہمارے درمیان ایک بند تعمیر کر دے۔ اس نے کہا، جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے وہ بہت ہے۔ تم بس محنت سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان بند بنا دیتا ہوں، مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ آخر جب دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی کو اس نے پاٹ دیا تو لوگوں سے کہا کہ اب آگ دہکاؤ حتیٰ کہ جب (یہ آہنی دیوار) بالکل آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو اس نے کہا، لاؤ اب میں اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلوں گا (یہ بند ایسا تھا کہ) یاجوج، ماجوج اس پر چڑھ کر بھی نہ آسکتے تھے

اور اس میں نقب لگانا ان کے لئے اور بھی مشکل تھا۔
ذوالقرنین نے کہا، یہ میرے رب کی رحمت ہے مگر جب میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس کو پیوند خاک کردے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔
اور اس روز ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے اور صور پھونکا جائے گا اور ہم ان سب انسانوں کو ایک ساتھ جمع کریں گے اور وہ دن ہوگا جب ہم جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے، ان کافروں کے سامنے جو میری نصیحت کی طرف سے اندھے بنے ہوئے تھے اور کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ تو کیا یہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں، ہم نے ایسے کافروں کی ضیافت کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔
اے محمدؐ! ان سے کہو کہ ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام اور نامراد لوگ کون ہیں۔ وہ کہ جن کی دنیا کی زندگی کی ساری جدوجہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ اس لئے ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن (تول) نہ دیں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے اس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اس مذاق کی پاداش میں جو میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ کرتے رہے۔
البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کی میزبانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی نہ چاہے گا۔
اے محمدؐ! کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہوجائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کم پڑ جائے۔
اے محمدؐ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا اللہ بس ایک ہی اللہ ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

(الکہف:۸۳-۱۱۰)

ذوالقرنین مفسرین کی نظر میں: ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں ''دو سینگوں والا''۔ مفسرین ذوالقرنین کے نام کی کئی طرح تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ دو مملکتوں روم اور فارس کا حکمران تھا اور ''قرن'' جس کے معنی ''سینگ'' کے ہیں بطور استعارہ طاقت وحکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
۲۔ وہ فتوحات کرتا ہوا اقصائے مشرق ومغرب تک پہنچا اور دونوں خطوں میں بہت سے ممالک پر قابض ومسلط ہوا۔ (امام زہری)
۳۔ اس کے سر میں دونوں جانب سینگ کے مشابہ غدود ابھرے ہوئے تھے۔ (وہب بن منبہ)

عائشہ خان

مرشد کی باتیں

مرشد تربیت کرتا ہے تو ابتدا میں سات آسمانوں کی باتیں نہیں کرتا نہ نور اور تجلی سے متعلق پڑھاتا ہے، وہ مرید کو رویہ میں خامیوں اور اندر کی تاریکیوں سے واقف کرتا ہے اس لئے کہ جس کا اندر پُرنور ہوگا، بات اس کو سمجھ میں آئے گی۔

ممکن ہے پڑھنے والے کو ان تحریروں میں تکرار ملے اور ایسا ہونا فطری ہے اس لئے کہ مرشد جب مرید کی تربیت کرتا ہے تو ایک بات کئی زاویوں سے سمجھاتا ہے تاکہ ذہن قبول کرلے۔ تربیت دراصل تکرار ہے۔

کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ عمل کا وقت آیا، ذہن نے بغاوت کردی، شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ ایسے میں استغفار پڑھنے سے متعلق خواب یاد آجاتا لیکن باغی ذہن کسی طور استغفار کی تسبیح پر آمادہ نہیں ہوتا۔ خود سے لڑتے لڑتے تھک ہار کر آخری راستہ استغفار کا ہی نظر آتا ہے اور وہ کم زوری تسلیم کرکے اللہ سے کہتا ہے کہ جانتا ہوں میں غلط ہوں اور اس کیفیت سے نکلنے کی استطاعت چاہتا ہوں اور تھوڑی دیر بعد ذہن پر سے دھند ہٹ جاتی ہے۔

کمرے میں خاموشی سے زیادہ سکون تھا۔ یہ سکون اس ہستی کی وجہ سے تھا جس کے وجود سے نکلنے والی پرسکون لہریں کمرے پر محیط تھیں۔ یہاں بیٹھ کر محسوس ہوتا ہے کہ باحواس دیواریں تعظیم سے سر جھکائے کھڑی ہیں۔ کتابیں، پانی کی بوتل، ٹشو پیپر کا بکس، کرسی، ہر شے ترتیب اور قرینہ سے رکھی ہوئی تھی۔ ایسے میں اپنا آپ بے ترتیب محسوس ہوا۔

عرض کیا، غلطی ہوجانے کے بعد شرمندگی کی وجہ سے سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

فرمایا، شرمندگی نہیں بڑھنی چاہئے، میرے پاس آکر عزم بڑھنا چاہئے، ارادہ بڑھنا چاہئے، ول پاور بڑھنی چاہئے۔ جواب نے جھنجوڑ دیا۔ کیا کچھ نہیں تھا اس میں۔ مرشد کا ایثار، یقین کی دنیا، محبت، درگزر—

عرض کیا، میرے اندر بغاوت بہت ہے۔

فرمایا، یہ خاندانی روایات کی وجہ سے ہے جن سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ غلطی کا احساس ہونا ضمیر کی راہ نمائی ہے۔ آپ کے ذہن میں خاندانی برتری کا احساس ہے کہ میرا خاندان، زبان، تعلیم وغیرہ وغیرہ۔ انا پر بار

بارضرب پڑنے سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے اور بندہ اپنی نفی کرکے بالآخر خود کو سپرد کردیتا ہے۔آپ اپنی مرضی چاہتے ہیں جو دراصل خود کو نمایاں کرنے کی خواہش ہے۔یہ خودسپردگی نہیں ہے۔ جب تک خود کو سپرد نہیں کروگے، یہ ہوتا رہے گا۔

مرشد کریم جب دیکھتے ہیں، لگتا ہے اسے نہیں، اس کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ نظر آنکھوں پر پڑی، ان آنکھوں میں کیا ہے، دیکھا نہیں جاسکتا۔شاگرد آنکھیں ذہن میں نقش کرنا چاہے تو ذہن میں تصویر نہیں بنتی۔ بلاشبہ آنکھوں کا رنگ بہت خوب صورت ہے، بندہ دیکھ نہیں سکتا البتہ نیل گوں اور سرمئی رنگوں میں موجود خمار میں کھوجاتا ہے۔

عرض کیا، یہ بات آپ مجھے کئی مرتبہ سمجھا چکے ہیں لیکن میں بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہوں۔

فرمایا، آپ ایک چیز کو ''رد کرکے'' آگے بڑھنا چاہتے ہیں، یہ طریقہ نہیں ہے۔طریقہ یہ ہے کہ گزر جاؤ۔ایک دن میں نہیں گزرتے، وقت لگتا ہے۔

پوچھا، آپ حکم کی تعمیل ایک ہی بار میں کرلیتے تھے؟

انہوں نے فرمایا، میں تعمیل اس طرح کرتا تھا کہ پھر اس طرف نہیں سوچتا تھا، خیال آتا تو دوسرے کام میں مشغول ہوجاتا۔آپ اس لئے الجھ رہے ہیں کیوں کہ ترک کے قانون سے واقف نہیں ہیں، ترک کے معنی ہیں — سرنڈر!

ہم بچوں کو معیاری اسکولوں میں پڑھاتے ہیں کہ وہ اچھے اور کامیاب بنیں۔اسکول دنیا کی اچھی تعلیم دے سکتا ہے لیکن کامیاب، آدمی رویوں سے ہوتا ہے۔ ہر جگہ بندہ رویوں کی وجہ سے ناکام اور اسی کے سبب کامیاب ہوتا ہے۔اصلاح کا عمل بہت تکلیف دہ ہے۔آدمی ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے، جلتا ہے اور راکھ ہوجاتا ہے۔راکھ سے نیا وجود جنم لیتا ہے جو ''میں'' اور ''تو'' کی قید سے آزاد ہے۔آزادی قربانی مانگتی ہے، جتنا عظیم مقصد ہوتا ہے، اتنی بڑی قربانی۔آدمی کے لئے اپنا آپ سب کچھ ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ جب تک مرید خود کو مرشد کے سپرد نہیں کردیتا، مرشد کا نہیں ہوسکتا۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم توجاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

مرشد تربیت کرتا ہے تو ابتدا میں سات آسمانوں کی باتیں نہیں کرتا نہ نور اور تجلی سے متعلق پڑھاتا ہے، وہ مرید کو رویہ میں خامیوں اور اندر کی تاریکیوں سے واقف کرتا ہے اس لئے کہ جس کا اندر پُرنور ہوگا، بات اس کو سمجھ میں آئے گی۔

تاریکیوں سے واقف ہوا تو سب سے بڑی خامی یہ نظر آئی کہ وہ خود کو دوسروں کی نظر سے دیکھتا ہے اس لئے احساس کم تری یا برتری کا شکار ہوجاتا ہے۔کسی نے

تعریف کردی تو پھولے نہیں سمایا اور جب تنقید ہوئی تو دل چھوٹا ہوگیا۔جس نے اچھا کہا، یہ اس کا ذہن ہے اور جس نے برا کہہ دیا، اپنے ذہن کی ترجمانی کی۔ لوگوں کی رائے پر خود کو جانچ کر آدمی تین میں ہوتا ہے نہ تیرہ میں۔شیخ طریقت فرماتے ہیں کہ خامی کا ادراک ہوجائے تو اسے دہرانے کے بجائے اصلاح کرنی چاہئے۔خود سے کہا، رویے کتنے ہی سرد یا پُرجوش ہوں، یہ لوگوں کی سوچ ہے — میں ایسا نہیں ہوں۔میں کیا ہوں، یہ اللہ کو معلوم ہے،بس ضمیر مطمئن ہونا چاہئے۔ خود کو لوگوں کی نظر سے دیکھنے کے بجائے یہ جاننا چاہئے کہ مرشد کی نظر میں، میں کہاں اور کیا ہوں۔

دو سال پہلے کی بات ہے شام میں ٹیرس پر بیٹھا موسم سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ خیال آیا — کہاں پھنس گیا۔ زندگی پہلے اچھی تھی، مرشد سے ملاقات بھی ہوجاتی تھی، ان کی ہدایات پر عمل کر کے قرآن کریم میں تفکر کرتا تھا اب ہر طرف ہاہاکار ہے۔یہ سوچ کر ایک بار پھر پرندوں کی بولیوں میں گم ہوگیا۔

دو دن بعد ملاقات میں شیخ طریقت نے ہو بہو اس کے الفاظ دہرائے۔فرمایا، آدمی اکیلا ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں کہاں پھنس گیا، اچھی خاصی زندگی تھی۔

پھر الفاظ پر زور دیا — خالص شیطانی خیال ہے، کبھی شیطان کے چکر میں مت پڑنا!

بات سن مسکراہٹ گہری ہوئی کہ چوری پکڑی گئی۔ مرشد، مرید سے ایک لمحہ کے لئے بے خبر نہیں ہوتا۔

ایک روز اسائنمنٹ ملا جسے مکمل کرنا مشکل ہوگیا۔ جھنجھلایا ہوا تھا کہ زبان سے نکلا — یہ کام تو میری جان کو آ گیا ہے۔

چند روز بعد مرشد نے فرمایا، ہاں بھئی پہلے یہ کام کروالو، یہ تو تمہاری جان کو آ گیا ہے۔

سخت ندامت ہوئی اور اعتراف کیا کہ میں جھنجھلایا ہوا تھا اس لئے زبان سے ایسی بات نکل گئی۔

شفیق مرشد مسکرائے اور فرمایا، کام اس وقت مشکل ہوجاتا ہے جب آدمی سمجھتا ہے کہ میں کر رہا ہوں۔ سب وسوسہ اور شیطانی چکر ہے۔

غصہ پہلے سے کم ہوگیا ہے اور ردعمل بھی۔اگرچہ مکمل ختم نہیں ہوا لیکن بہت سی باتوں کو اب وہ نظر انداز کر دیتا ہے۔تبدیلی کا احساس اس وقت ہوا جب ایک روز کسی نے نشان دہی کی کہ تم وہ نہیں ہو، جو پانچ چھ سال پہلے تھے — اب ٹھہراؤ آ گیا ہے۔

احساس دلانے پر متوجہ ہوا تو خیال آیا کہ صبح سے کتنی باتیں ایسی ہوچکی ہیں جن پر وہ پہلے ردعمل ظاہر کرتا تھا، اب نظر انداز کر دینے سے ذہن ہلکا رہتا ہے۔

ایک روز چند باتیں ذہن کو ناگوار گزریں۔ذہنی کش مکش بڑھی تو آنکھیں جلنا شروع ہوگئیں۔خیال آتے ہی کہ یہ غصہ نہیں حسد ہے، اللہ کا شکر ہے اس کیفیت سے نکل گیا۔

مرشد کریم سے کہا، میری سوچ غلط ہے، ہر ایک کو

اپنی قسمت کا ملتا ہے۔ نہ کوئی کسی سے کچھ لے سکتا ہے نہ دے سکتا ہے۔ جس کو میں نے غصہ سمجھا، وہ حسد تھا۔ آدمی کو پتہ نہیں چلتا اور وہ راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرنی چاہئے۔

فرمایا، یہ احساس کس نے دلایا ــــ؟

عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے۔

فرمایا، اس سے پہلے جو سوچا، شیطان کی کارفرمائی تھی۔ اب جو کیا ہے یہ ضمیر کی آواز ہے۔ آپ نے ضمیر کی آواز کو سنا۔ اسی طرح سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔

خواب میں دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھا ہے اور مرشد سفید لباس میں تخت پر۔ انہوں نے چار سوالات پوچھے۔ سوالات کیا تھے، یاد نہیں البتہ پہلے سوال پر اس نے کہا، جو آپ کا حکم!

دوسرا سوال کیا گیا، اس نے کہا، جو آپ کا حکم!

تیسرا سوال پوچھا گیا۔ اس بار پھر ذہن نے فرماں برداری سے جواب دیا، جو آپ کا حکم!

البتہ چوتھے سوال پر چونک گیا۔

مرشد گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور جواب کے منتظر تھے۔ سوال سن کر گھبرا گیا۔ نفی میں جواب دینا نافرمانی تھی اور اثبات میں جواب دینے پر دل آمادہ نہیں تھا۔ وہ مرشد کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عرض کیا ــــ سوال سمجھ میں نہیں آیا۔

مرشد ہنس پڑے اور سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا ــــ

نیند سے جاگتے ہی ذہن میں سوالات موجود تھے لیکن اگلے لمحہ ذہن خالی ہو گیا۔ یاد کرنے کی کوشش کے باوجود حافظہ خالی تھا۔ ادراک ہوا کہ خواب کے ذریعے خامی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ کئی روز تک تعبیر پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ڈر بھی تھا کہ میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی جس پر معافی کی گنجائش نہیں۔ اس وجہ سے بھی ان سے تعبیر پوچھنے کی ہمت نہیں ہو سکی۔

اس روز جب مرشد کریم معافی کے حوالہ سے بات سمجھا رہے تھے تو ہمت ملی اور خواب سنایا۔

چوتھے سوال کی بات پر گہری مسکراہٹ تھی جیسے جانتے ہوں کہ سوال کیا تھا۔

ان جان بنتے ہوئے انہوں نے پوچھا، چوتھا سوال کیا تھا؟ عرض کیا، مجھے یاد نہیں۔ آپ بتا سکتے ہیں کیا تھا۔

لاتعلقی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے کیا معلوم۔

تعبیر بتائی کہ آپ کو بتایا گیا ہے کہ ذہن مکمل طور پر کیئر آف اللہ پیٹرن پر قائم نہیں ہے۔

کچھ دنوں بعد یاد آ گیا کہ چوتھا سوال کیا تھا۔ جب مرشد کریم کو بتایا انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فرمایا، ذہن میں شکوک و شبہات ہیں۔ کیا میں آپ کے لئے غلط فیصلہ کر سکتا ہوں؟

عرض کیا ــــ نہیں، بالکل نہیں۔

انہوں نے فرمایا، چھوٹے بچہ کی طرح خود کو استاد (مرشد) کے سپرد کر دو۔

اقتباسات

کرم فرما خواتین وحضرات قارئین ''ماہنامہ قلندر شعور'' ادارہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ادارہ ان کی پسند و ناپسند کے آئینہ میں جذبات و احساسات کی فلم دیکھ کر رسالہ میں تبدیلیاں کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ قارئین — قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

فرض کریں گھر کے افراد عہد کرتے ہیں کہ ہر صورت گھر میں خوش گوار فضا قائم رکھیں گے اور معاملات خوش اسلوبی سے چلائیں گے۔ جب افراد خانہ سچے دل سے اپنا یہ مقصد بنا لیتے ہیں تو ہر وہ اختلاف جو مقصد سے متصادم ہوتا ہے، اس پر غلبہ پا لیتے ہیں۔ پسند و ناپسند کا اختلاف بہر صورت رہتا ہے کیوں کہ یہ فطرت کا تقاضہ ہے۔ ترک واختیار کا انفرادی فرق مٹایا نہیں جا سکتا لیکن اس کثرت میں ایسی وحدت پیدا کی جا سکتی ہے جو نہ صرف اختلاف کو ختم کر دے بلکہ اختلاف کو مقصد کی تکمیل میں معاون بنا دے۔ جس طرح گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن، اسی طرح افراد کے اذواق کو زینت مقصد کا ذریعہ بنا دے۔ یہ چابک دست باغ بان کا کام ہے کہ مختلف رنگ و پھول کو یک جا کر کے حسین گل دستہ بنا دے۔ ایسا گل دستہ جس کا ہر پھول گل دستہ کی زینت قائم کرنے میں یکساں شریک ہو۔ جو شخص اختلاف کے باوجود عوام کی صلاحیتوں کو ایک نصب العین پر قائم کر دے وہی اس باغ کا والی و مالی ہے۔

(کتاب: مقالات۔ حمزہ طارق، کراچی)

آئن سٹائن کا کہنا تھا کہ میں نے ریڈیو دوربین کے ذریعے ایسی کہکشاں تو دیکھ لی ہے جو زمین سے دو کروڑ نوری سال کے فاصلہ پر ہے یعنی روشنی جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل طے کرتی ہے وہاں دو کروڑ سال میں پہنچے گی لیکن جہاں تک کائنات کی سرحدیں معلوم کرنے کا تعلق ہے، میری عمر ایک ملین یعنی دس لاکھ بھی ہو جائے تو نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس نورِ ازل حضرت محمدؐ کے فیض سے منور غوث الاعظمؒ کائنات کے متعلق قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں: ''دنیائیں میری نظر میں اس طرح ہیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔'' اس سے مادیت اور روحانیت کا اور عقلِ نارسا اور عشق کامل

کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ غریب نوازؒ فرماتے ہیں:

حساب عمر صد عاقل، بحشر بگذرد یکدم
حساب یک دم عاشق بصد محشر نمی گنجد

ترجمہ: حشر کے دن سو عاقلوں کی عمروں کا حساب طرفۃ العین میں ہو جائے گا مگر عاشق کی زندگی کے ایک لمحہ کا حساب سو حشر میں بھی بیان ہو تو ختم نہیں ہوگا۔

(کتاب: ماہِ منیر۔ سلامت علی، کوئٹہ)

جس طرح ستارے اور زمین گردش میں ہیں، کائنات کا ایک ایک ذرّہ متحرک ہے۔ انسان جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے، وہ بھی ہر لمحہ اور ہر آن جذبات و احساسات کی دنیا میں ردوبدل ہو رہا ہے۔

(کتاب: کشکول۔ زین العابدین، کراچی)

ہم کہتے ہیں دل خوش ہوا، دل گھبرا رہا ہے لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ اس دل کو کون چلا رہا ہے۔ آپ گاڑی یا بس میں بیٹھتے ہیں، کوئی پوچھے کہ گاڑی کون چلا رہا ہے، فوراً بتا دیں گے کہ ڈرائیور چلا رہا ہے۔ پوری کائنات کون چلا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں۔ میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں، میں آدمی ہوں، آپ سب بھی آدمی ہیں۔ میں سو جاتا ہوں، آپ بھی سو جاتے ہیں۔ جب میں سو جاتا ہوں تو مجھے اس بات کا علم نہیں رہتا کہ میں آدمی ہوں لیکن سونے کی حالت میں جب میں چلتا پھرتا ہوں، کھانا کھا لیتا ہوں، خوش ہوتا ہوں، خوف زدہ ہوتا ہوں، ہوا میں اڑتا ہوں، یہ سب کرتا ہوں لیکن اس بات سے ناواقف ہوں کہ سونے کی حالت میں کون چل پھر رہا ہے، کون غم زدہ اور خوش ہو رہا ہے اور کون راحت اور تکلیف محسوس کرتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ سونے کی حالت میں تمام حرکات اور سکنات ہو رہی ہیں لیکن جسم حرکت نہیں کرتا۔ سیدھی بات ہے کہ جسم کی اپنی کوئی ذاتی حرکت نہیں ہے۔ جسم کی حرکت کسی حرکت کے تابع ہے۔ اب ہم یوں کہیں گے مادی جسم خود مختار نہیں، روح کے تابع ہے۔ روح جب تک مادی جسم کو متحرک رکھتی ہے جسم چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے اور جب روح مادی جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو جسم ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (کتاب: آگہی۔ محمد فیصل علی)

کائنات ایثار پر قائم ہے۔ یہاں ہر شے دوسری شے کے لئے ایثار کر رہی ہے۔ پانی کا ایثار یہ ہے کہ بے شمار ڈائیوں میں داخل ہوتا ہے اور خود کو فنا کر کے مختلف رنگ و روپ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ دوسروں کو روشنی دینے کے لئے خود شمع بننا پڑتا ہے۔ شمع کا کردار یہ ہے کہ وہ ایثار کے جذبہ کے تحت خود کو فنا کر دیتی ہے اور شمع کی اس فنائیت پر پروانے اپنی جانیں نثار کر دیتے ہیں۔ (محمد کاشان احمد۔ کراچی)

رفعت انیس

ٹائم اور اسپیس کی نفی

خواب میں آدمی مستقبل کے واقعات دیکھ لیتا ہے۔ لاکھوں میل کا فاصلہ پلک جھپکنے میں طے کر لیتا ہے اور اگر کوئی پیر ہلائے تو بندہ خود کو بستر پر موجود پاتا ہے۔ غور طلب ہے کہ خواب میں ذہن پر مادی جسم کا غلبہ نہیں ہوتا اس لئے رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

ایک شخص مضمون ایک دن میں لکھتا ہے جب کہ دوسرا دو گھنٹے میں — مضمون ایک ہے لیکن کام کی رفتار الگ ہے۔ رفتار کا تعلق ذہن سے ہے اس لئے کہ رفتار کام کی ہوتی تو دونوں افراد مضمون ایک وقت میں مکمل کرتے۔

ذہنی صلاحیت کی مناسبت سے کام کی تکمیل کے دورانیہ کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً زید ایک گھنٹہ میں تین میل کا فاصلہ طے کرتا ہے، اس کے چلنے کی رفتار تین میل فی گھنٹہ ہے۔ گاڑی کی اوسطاً رفتار 80 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ریل گاڑی کی رفتار اوسطاً 400 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ ہوائی جہاز کی رفتار اوسطاً 900 کلومیٹر فی گھنٹہ جب کہ خلا تک پہنچنے والے راکٹ کی رفتار 7.9 کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔

چوپایوں میں سب سے تیز دوڑ چیتے کی ہے جس کی رفتار اسّی تا ایک سو پانچ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ اس طرح پرندوں میں Peregrine Falcon (شکرے کی قسم) کے اڑنے کی رفتار 320 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ شکار کے لئے غوطہ لگاتے وقت اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار 389 کلومیٹر فی گھنٹہ ہو جاتی ہے۔

آواز اور روشنی سے ہر نوع واقف ہے۔ محققین کے مطابق سمندری سطح پر آواز کی رفتار تین سو تراسی میٹر فی سیکنڈ جب کہ روشنی کی رفتار ہوا میں تقریباً دو لاکھ ننانوے ہزار سات سو کلومیٹر فی سیکنڈ بتائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے ہر چیز جوڑے جوڑے پیدا کی ہے تا کہ تم دھیان کرو۔'' (الذّٰریٰت:۴۹)

ہر شے دو رخوں پر قائم ہے، ایک رخ مادی اور دوسرا غیر مادی ہے۔ سائنسی ترقی کا تمام تر زور مادہ کی رفتار بڑھانے اور وقت کی نفی پر ہے۔ یہ رفتار کا ایک پہلو ہے۔ رفتار کا دوسرا پہلو غیر مادی ہے۔ مثلاً آدمی دفتر میں کام کر رہا ہے، گھر کا تصور کرنے کو کہا جائے تو سیکنڈ سے کم وقت میں خود کو گھر میں دیکھتا ہے۔ تصور میں گھر پہنچنے میں وقت کی پیمائش ممکن نہیں ہے جب کہ مادی طور پر گھر

پہنچنے میں اسے ایک گھنٹہ لگتا ہے۔

اگر آپ کی عمر سینتیس سال ہے اور کہا جائے کہ سات سال کی عمر کا تصور کیجئے تو آپ فوراً بچپن میں داخل ہوجاتے ہیں اور سات سال کی عمر کے واقعات نگاہوں میں اس طرح مظہر بنتے ہیں جیسے وقت گزرا نہیں، موجود ہے۔ بچپن میں داخل ہونے کے لئے ذہن نے وقت اور فاصلہ طے کیا مگر فاصلہ اور وقت ذہن سے حذف ہوگیا اس لئے محسوس نہیں ہوا۔ درمیان کے تیس سال کہاں چلے گئے۔ جو فاصلہ تیس سالوں میں طے ہوا وہ یک لخت کیسے طے ہوگیا۔ یہ کیسی بات ہے کہ وقت کبھی تیس سالوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور کبھی تیس سال صفر ہوجاتے ہیں—؟ ابدال حق فرماتے ہیں:

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

ماضی کے واقعات یاد کئے جائیں تو ذہن یک لخت اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جب کہ مستقبل کی طرف سفر کرنے کی کوشش کی جائے تو عام آدمی کا ذہن وسوسوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

جسم کے بغیر رفتار کا مظاہرہ خواب کی کیفیت میں بھی ہوتا ہے۔ خواب میں آدمی مستقبل کے واقعات دیکھ لیتا ہے۔ لاکھوں میل کا فاصلہ پلک جھپکتے میں طے کر لیتا ہے اور اگر کوئی پیر ہلائے تو بندہ خود کو بستر پر موجود پاتا ہے۔ غور طلب ہے کہ خواب میں ذہن پر مادی جسم کا غلبہ نہیں ہوتا اس لئے رفتار تیز ہوجاتی ہے۔ بیداری میں ذہن کی رفتار سے پتہ چلتا ہے کہ روح کی صلاحیت کس حد تک بیدار ہے۔

جس طرح ہم مشینری اور برقی آلات استعمال کر کے کام کی رفتار بڑھا لیتے ہیں، اسی طرح ذہن کی رفتار بڑھا کر روزمرہ کام کی کارکردگی کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اور ہم بیک وقت ایک سے زائد امور انجام دے سکتے ہیں۔

دو دوستوں کی کہانی بات سمجھنے میں مدد دے گی۔

ساجد اور حمزہ گہرے دوست تھے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد روزگار کے مسائل میں ایسے الجھے کہ رابطہ نہیں رہا۔ کئی سال بعد اچانک ملاقات ہوئی۔ ساجد شہر کے پوش علاقہ میں بڑے شاپنگ مال سے باہر نکل رہا تھا کہ حمزہ سے ملاقات ہوگئی۔ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ساجد نے بے ساختہ حمزہ کو گلے لگایا، گاڑی میں بٹھایا اور گھر لے کر آیا۔ حمزہ چھوٹے ادارہ میں کلرک تھا، عالی شان گھر، نئے ماڈل کی گاڑی، نوکر چاکر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔

دونوں کی اکثر و بیش تر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ساجد نیک اور خوش اخلاق تھا، دولت اور امارت کے باوجود مزاج میں انکساری تھی۔ اس نے حمزہ کو بتایا کہ میرے حالات میں تبدیلی کا سبب پروفیسر صاحب کی راہ نمائی

ہٹا کر ذہن کو ایک خیال پر مرکوز کرنا ہے۔ ابتدا میں یک سوئی میں مشکل ہوسکتی ہے لیکن باقاعدگی سے مشق کی جائے تو ذہن خالی ہونا شروع ہوجاتا ہے اور آدمی ایک خیال پر یک سو رہنا سیکھ لیتا ہے۔

حمزہ تمہیں معلوم ہے کہ سانس کی مشق اور باقاعدگی سے مراقبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے ذہنی انتشار سے نجات مل گئی۔ ہر کام میں اللہ کی رضا تلاش کرتا ہوں۔ کیا تمہیں میرا چہرہ پرسکون نظر نہیں آتا — ؟

اتنی دولت کے بعد تو ہر ایک کا چہرہ پرسکون ہوگا۔

ساجد ہنس پڑا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اولاد کی صحیح تربیت نہ کی جائے اور مال حق دار تک نہ پہنچے، خدمت خلق کے کاموں میں خرچ نہ ہو تو اولاد اور مال فتنہ ہیں۔ میرے پاس دولت ہے لیکن میں اندر کی دولت کی وجہ سے پرسکون ہوں۔ روپیہ پیسہ آنی جانی چیز ہے۔

حمزہ نے پوچھا، مراقبہ کس وقت کرنا چاہئے؟

ساجد نے بتایا کہ رات عشا کی نماز کے بعد یا فجر کی نماز کے بعد۔ اس سے نماز میں یک سوئی میں آسانی ہوگی۔ دوست! میں تو کہتا ہوں کہ پوری زندگی کو مراقبہ بنالو۔ حمزہ حیران ہوا کہ مراقبہ سے نماز میں مدد — ؟

ہاں! ترجمہ یاد کر کے نماز پڑھو اور نماز میں ذہن ترجمہ کی طرف رکھو۔ تصور کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم اللہ کے حضور حاضر ہو۔ جب تک ذہن اللہ کے خیال میں قائم نہیں ہوتا، نماز کی تکمیل نہیں ہوتی! نماز کے دوران بندہ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا یہ محسوس کرے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسے مرتبہ احسان کہتے ہیں۔ مرتبہ احسان کے ذریعے اللہ سے ربط قائم کرنے کی ہدایت رسول اللہؐ کے ارشادات سے ملتی ہے۔

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح بخاری)

مرتبہ احسان کے ساتھ نماز قائم کرنے سے دماغ کے خلیات چارج ہوتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کی ہدایات پر عمل کرنے سے میں ٹائم مینجمنٹ سے واقف ہوا۔

دوست! تم خوش قسمت ہو۔

تم بھی خوش رہنا سیکھ لو، قسمت اچھی ہوجائے گی۔

تو یہ ہے تمہاری کامیابی کا راز۔

ہاں! میں نے پروفیسر صاحب کی ہدایت پر عمل کیا۔ زیادہ کھانے، زیادہ سونے اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کیا۔ محسوس ہوا کہ ذہنی اور جسمانی کام کی رفتار میں اضافہ ہوگیا ہے۔ سچے خواب نظر آنے لگے۔ گھر والے میرے اندر تبدیلیوں پر حیران تھے، انہیں میرے غصہ سے نجات مل گئی تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے جلد ملٹی نیشنل ادارہ میں ملازمت مل گئی۔ ذہنی رفتار اور کارکردگی میں اضافہ کے سبب ترقی ہوتی گئی۔ آج میرے پاس گھر، گاڑی، عزت، بچوں کی اچھی تعلیم سب کچھ موجود ہے اور میں اللہ کا شکر گزار ہوں۔

حمزہ نے دوست کو زندگی سے مطمئن دیکھا تو رشک سے کہا، حیرت ہے کہ نفسانفسی کے اس دور میں تمہارے پاس سکون قلب ہے۔ سکون قلب تو دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔

ساجد نے جواب دیا، میں پروفیسر صاحب کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے باطن کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی ہر ہدایت پر عمل کیا، ہر بات کو اہم سمجھا۔ آج میں سکون قلب سے مالا مال ہوں، نقصان پر صبر کر لیتا ہوں اور خوشی کا وقت بھی صبر سے گزارتا ہوں۔

پروفیسر صاحب کی ہدایت پر قرآن کریم سمجھ کر پڑھنے اور تفکر سے معلوم ہوا کہ میں حیوانات کی زندگی گزار رہا تھا۔ کھانا پینا سونا جاگنا، شادی کرنا، گھر بنانا، بچوں کی پیدائش و پرورش، خوشی وغمی سب حیوانات میں بھی موجود ہے۔ قرآن سے راہ نمائی ملی کہ زندگی کا اعلیٰ مقصد تو اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور ان علوم سے واقف ہونا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نوع آدم کو عطا کئے ہیں، رسول اللہؐ کا قلبی و باطنی تعارف حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں تمہارے اندر ہوں، تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں۔'' (الذّٰریٰت: ۲۱)

کیا قرآن پڑھنے سے روزمرہ زندگی بہتر بنائی جاسکتی ہے؟ حمزہ نے دریافت کیا۔

ساجد نے سمجھایا کہ قرآن کو معنی ومفہوم کے ساتھ سمجھ کر پڑھنے اور غور وفکر کرنے سے ذہنی وسعت میں اضافہ ہوتا ہے قرآن کے انوار ہمارے اندر ذخیرہ ہوتے ہیں۔ اس میں ایسے فارمولے موجود ہیں جن کو سمجھ کر انسان ٹائم اور اسپیس کی حقیقت سے واقف ہوسکتا ہے اور کائنات اس کے لئے مسخر ہوجاتی ہے۔ ساری بات ذہن کی ہے، ذہن کی رفتار بڑھ جائے تو مادی وجود مغلوب ہوجاتا ہے۔

حمزہ نے پوچھا، کیا قرآن میں ایسی ہستیوں کا تذکرہ ہے جو ٹائم اور اسپیس سے واقف ہوئے؟

کیوں نہیں! سورۃ النجم میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی محبوب رب العالمین حضورؐ کے بارے میں تذکرہ ہے کہ آپؐ معراج پر تشریف لے گئے۔ معراج میں سیدنا حضور پاکؐ نے لمحہ سے بھی کم وقت میں زمین پر سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کیا اور ہزاروں لاکھوں نوری سال کے فاصلہ پر آسمان کی حدود میں داخل ہوئے۔ فرشتوں کی حد سے آگے تشریف لے گئے اور اللہ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس سفر میں وقت کی پیمائش کسی طور ممکن نہیں۔

اس کے علاوہ سورۃ النمل میں حضرت سلیمانؑ کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت 2250 کلو میٹر دور سے لے آیا۔

حمزہ! ہر شخص کی زندگی روح کے تابع ہے۔ روح کے بغیر جسم بے جان پتلا ہے۔ ہر فرد اپنے اندر موجود روح کی صلاحیتوں کو بیدار کرسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ سوچ

مثبت رکھو ورنہ کام یابی کے امکانات نہیں ہیں۔

مثبت سوچ سے کیا مراد ہے؟ حمزہ کا تجسس برقرار تھا۔

مثبت سوچ سے مراد ہے کہ کسی کو برا سمجھو نہ کم تر۔ حسد، غرور، شک، غیبت، جھوٹ اور غصہ سے دور رہو۔ جیسے بھی حالات ہوں، کوشش کرو اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ کی ذات پر یقین رکھو۔ اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے تو پھر کوئی نہیں ہے جو تمہاری مدد کر سکے۔

حمزہ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ بھی ساجد کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل درآمد کرے گا۔

قارئین ہمیں بھی اپنے اندر موجود ذہنی و جسمانی صلاحیتوں سے واقف ہونے کے لئے درج ذیل نکات پر عمل کرنا چاہئے۔

۱۔ مثبت سوچ

۲۔ کثرت سے یاحی یاقیوم کا ورد

۳۔ سانس کی مشق اور باقاعدگی سے مراقبہ

۴۔ اللہ کے تصور سے نماز پوری کریں

۵۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا اور غور و فکر کرنا

۶۔ دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ زندگی کے اصل مقصد اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

۷۔ زیادہ کھانے، زیادہ سونے اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرنا۔

یاد رکھئے کہ صلاحیت کا تعلق فہم یا رفتار سے ہے کہ کون کتنی تیزی سے حقیقت کا ادراک کرتا ہے۔

365 دن اور چھ گھنٹے

خلیفہ مامون الرشید (833-786ء) علم کا قدردان تھا۔ اس نے یونانی زبان میں موجود سائنس کی کتابیں حاصل کرنے کے لئے بازنطینی شہنشاہ لیون دی آرمینین (Leon the Armenian) کے پاس سفارتی مشن بھیجا تھا۔ اس نے بہت سے مخطوطات (مینیو اسکرپٹ) کے تراجم عربی میں کروائے۔ پامیرا کے مقام پر رصدگاہ تعمیر کروائی۔ کرۂ زمین کے محیط (گھیر) کی پیمائش معلوم کرنے کے لئے ستر محققین کو ذمہ داری سونپی۔ انہوں نے زمین کا گھیر 25,009 میل نکالا جب کہ موجودہ پیمائش 24,858 میل ہے۔

خلیفہ مامون کے کہنے پر دنیا کا بڑا نقشہ بھی بنایا گیا تھا جو بہت حد تک موجودہ نقشہ کے مطابق ہے۔ بغداد کے تین ممتاز محقق بھائیوں ''موسیٰ برادران'' کو اس نے عرض بلد کی ڈگری نکالنے کا کام سونپا جس کے لئے انہوں نے شمالی عراق کے ریگستان میں جا کر کام کیا، چاند، سورج اور ستاروں کے مشاہدات کئے۔ ایک ستارہ ریگولس کا مشاہدہ بغداد میں واقع اپنے گھر سے دس سال (851-840ء) تک کیا۔ ان کا گھر بلند مقام پر واقع تھا۔ ان میں سے دو بھائیوں محمد اور احمد نے سال کی مدت معلوم کی جو 365 دن اور چھ گھنٹے تھی۔

KASHAN ENTERPRISE

ENGINEER, CONSULTANT & ELECTRICAL CONTRACTOR

SERVICES:

• LT Sub Station • Power Distribution • Lighting System • Lightning Protection system • Earthing System • Local and Imported UPS • Solar panels • Fire alarm and Gas Detection System • CCTV and Security System • PABX and Telephone system • Public Addressable System • Maintenance packages • LED lighting • Prepaid Electricity Meters • Data Networking system and I.T solutions.

The service list is a selection of work that we carry out but it is not exhaustive. If the required work is not listed, you may contact us, we would be pleased to give you a quote.

Add: B-40, Sector 4-C, Surjani Town, Karachi, Pakistan.
Kashan Ali: 0321-2154178
Info@Kashan-Enterprise.Net WWW.KASHAN-ENTERPRISE.NET

SEARLE

GANDEREL

کینڈرل

پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لوکیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں **کینڈرل** چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ **کینڈرل** بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ **کینڈرل** کے ساتھ

صہیب رانا

خوشی کا راز

کام یاب لوگ سادہ اور بچوں جیسا زاویہ نگاہ رکھتے ہیں۔ بچہ کی نگاہ کا زاویہ ہماری نگاہ سے وسیع ہے۔ جب تک اِس دنیا کے شعور کی چھاپ نقش نہ ہو جائے، وہ اُس دنیا کے زیر اثر رہتا ہے جہاں سے آیا ہے۔

بچپن میں نرم و ملائم گھاس پر بے فکر چہل قدمی کرتا، دوڑتا، دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیلتا اور گھاس میں کچھ نہ کچھ تلاش کرتا تھا۔ دوپہر میں سورج آب و تاب سے چمکتا تھا اور شام میں ہوا خنک اور تیز ہوتی تھی لیکن سکون اور خوشی کا احساس موسم سے بے نیاز کر دیتا۔ اکثر سوچتا ہوں کہ بچپن کی زندگی خوشی سے بھرپور اور پریشانیوں سے محفوظ کیوں تھی۔ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بچپن میں، میں لاشعور سے قریب تھا اور جانتا تھا کہ ہر قدم کے ساتھ نیا ایڈونچر میرا منتظر ہے کہ کھوج لگاؤں، اس سے واقف ہوں اور نئی دنیا میں داخل ہو جاؤں۔

میرا لڑکپن مثبت خیال، تخیلات اور حیرت سے بھرپور تھا۔ میں تخیلات میں رنگ بھرنا چاہتا تھا، اس بات کی پریشانی نہیں تھی کہ مقصد کی تکمیل کیسے ہوگی، میرے سامنے صرف مقصد اور اپنی لگن تھی۔ گزرے ہوئے زمانہ سے حال کا موازنہ کرتے ہوئے سوچتا ہوں ایسا کیوں ہے کہ زندگی میں سوائے منفی سوچ اور مایوسی کے کچھ نظر نہیں آتا — ؟ کیوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی نے نادیدہ بوجھ ڈال دیا ہے جس کے لینس سے مجھے ہر شے میں شک اور وسوسہ نظر آتا ہے۔ شے وہ نظر نہیں آتی جیسی حقیقت میں ہے۔

میں وہ کیوں نہیں ہوں جو پہلے تھا؟ کیا میں ماضی میں داخل ہو سکتا ہوں یا موجودہ زندگی ماضی جیسی نہیں ہو سکتی؟ ماضی میں ایسا کیا ہے کہ خیال آتے ہی خود کو زندہ، توانا اور بوجھ سے آزاد محسوس کرتا ہوں؟ پرانی یادیں کیوں اپنی طرف کھینچتی ہیں — ؟ جانتا ہوں کہ گیا وقت لوٹ کر نہیں آتا اور میں دوبارہ سات سال کا نہیں ہو سکتا۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں بچپن نظر آ جاتا ہے اور ان جانی کمی محسوس کرتا ہوں۔ میں پہلے جیسا کیوں نہیں ہوں؟ ایسے کیا عوامل ہیں جن کی وجہ سے میں تبدیل ہو گیا؟ وہ ''میں'' جو پہلے ''حال'' میں خوش رہتا تھا اور قدر کرتا تھا اب اسے ''حال'' سے شکایت کیوں ہے — ؟

اپنی اور دوسروں کی زندگی کا جائزہ لیتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پوری دنیا کے ساتھ کسی مقابلہ میں شریک ہیں اور اپنے آپ کو منوانا ہے۔ خود کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے ایسے طریقے ڈھونڈتے ہیں جن سے سکون آشنا ہونے کے بجائے بے سکون ہوجاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مقابلہ کی دوڑ نے مضطرب کردیا ہے۔

ہم میں سے کچھ خیالی پلاؤ پکاتے ہیں، کچھ کام کرنے سے پہلے نتیجہ کی فکر میں مبتلا ہوجاتے ہیں جب کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو نتیجہ کی پروا کئے بغیر کوشش کا آغاز کرتے ہیں اور جرأت مندانہ اقدام کرتے ہیں بچہ کی طرح جو کل کی قید سے آزاد ہے۔

کام یاب لوگ سادہ اور بچوں جیسا زاویہ نگاہ رکھتے ہیں۔ بچہ کی نگاہ کا زاویہ ہماری نگاہ سے وسیع ہے۔ جب تک اِس دنیا کے شعور کی چھاپ نقش نہ ہوجائے، وہ اُس دنیا کے زیر اثر رہتا ہے جہاں سے آیا ہے۔ یقین ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ وہ کوشش، کام کی طرح کرتا ہے جیسے جانتا ہے کہ کام کیسے کرنا ہے اور کام کرنا ان کے لئے مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سوچ بچوں کی کام یابی کا اہم جز ہے۔ وہ ساتھیوں کا راستہ کھوٹا نہیں کرتے، دوسروں کے متعلق رائے قائم نہیں کرتے، رنجشیں نہیں رکھتے، اختلافات بھول کر ایک ہوجاتے ہیں — ہمیشہ غیر جانب دار رہتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر لوگ جب جوان ہوتے ہیں تو بچپن بھول کر ان برائیوں کا شکار ہوجاتے ہیں جو ایمان کو متزلزل کرتی ہیں۔ شک دل میں داخل ہو تو خوشی کا تصور ذہن سے محو ہوجاتا ہے۔ خواہشات میں اتنا الجھے ہوئے ہیں کہ حال کو خوشی سے گزارنے کا خیال ذہن میں نہیں آتا، مسکرانا بھول جاتے ہیں، رشتوں میں اخلاص کی آبیاری نہیں کرتے۔ اس کی عزت کرتے ہیں جس سے فائدہ کی توقع ہو۔

دنیا میں خالی ہاتھ آتے ہیں اور خالی ہاتھ واپس چلے جاتے ہیں، اس کے باوجود مادی اشیا کو اہمیت دیتے ہیں۔ آنے اور جانے کے درمیان کا وقت مختصر ہے، اس میں ہم زندگی کا مقصد تلاش کیوں نہیں کرتے — ؟ وہ چیزیں جو ماضی میں خوشی کا باعث تھیں، آج ان میں خوشی نظر نہیں آتی۔ محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر میں کچھ تبدیل ہوگیا ہے۔ نعمتوں کے باوجود خود کو اکثر وبیش تر مایوس اور خالی کیوں دیکھتا ہوں — ؟

ہم پیدائش سے لے کر تقریباً تین سال تک مکمل طور پر ماں باپ کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ خودمختار ہونا شروع ہوتے ہیں، فیصلے خود کرتے ہیں، چیزوں کے انتخاب میں پسند و ناپسند داخل ہوجاتی ہے۔ فیصلے کرنے کا مطلب ارادہ واختیار کا شامل ہونا ہے۔ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا، پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ، دونوں صورتوں میں بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر جانب داری کی صورت میں بھی نتائج سے سیکھتے ہیں۔ یہ سیکھنا پہلی دو صورتوں سے زیادہ بہتر ہے اور

سکون کی کیفیت میں داخل کر دیتا ہے۔

تجربات سے شعور، حالات و واقعات سے واقف اور چیزوں کے استعمال سے آگاہ ہوتا ہے جیسے ٹھنڈے پانی کا گلاس یا گرم چائے کی پیالی۔ ابتدائی طور پر بچہ کے لئے سمجھنا مشکل ہے کہ گلاس میں پانی ٹھنڈا ہے یا گرم۔ وہ دو رخوں کا شعور رکھتے ہوئے بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، گلاس کی طرف لپکتا ہے اور تجربہ کرنا چاہتا ہے۔ بچہ آگ سے بے خبر آگ کی طرف لپکتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جان لیتا ہے کہ آگ — کھانا گرم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے اور اس کی مدد سے انجن بھی چلایا جاتا ہے۔ بطور ہتھیار مستعمل ہے اور آگ سے لوہا بھی موم ہو جاتا ہے۔

طرز فکر کے زاویے ہر شخص کی زندگی میں ہیں۔ چند لوگ آزاد خیالی سے دیکھتے ہیں اور باقی تنگ نظری سے۔ دونوں حالتوں میں اعتدال نہیں ہے۔ اسراف اچھا ہے نہ بخل — سوچ میں میانہ روی سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے اور بندہ غلط فیصلوں کے نتائج سے محفوظ رہتا ہے۔ نہیں معلوم کہ حالات ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں یا ہمارے فیصلے حالات کی تشکیل کا سبب بنتے ہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ حالات کے آگے آدمی بے بس ہے۔ حالات کو کس زاویہ سے دیکھنا ہے، اس کا اختیار بہرحال ہمارے پاس ہے۔

بڑوں کی بنسبت بچہ وہی فیصلہ کرتا ہے جو اس کے ذہن میں آتا ہے — یہ فیصلہ خوش رہنے کا ہے۔ اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہو، ہنسی خوشی کھیلتا ہے، واپس لے لیا جائے تو تھوڑی دیر رو کر دوسری چیز سے دل بہلا لیتا ہے۔ رونا دھونا بھی اس نے ہم سے سیکھا ہے۔ وہ جس دنیا سے آیا ہے، وہاں خوشی ہے۔ وہ خود کو خوش رکھنا جانتا ہے اور خوشی کے لئے مزید وسائل ڈھونڈتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ تمام عمر ہم خوشی کو ڈھونڈنے میں گزار دیتے ہیں جب کہ خوش رہنا اختیاری عمل ہے۔ خوش رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اسی لمحہ ان جانے بوجھ سے آزاد ہو جاتے ہیں جو ہم نے خود پر ڈالا ہوا ہے۔ یہ بوجھ کیا ہے اور اس وقت کیوں طاری ہوتا ہے جب ہم خوشی سے دور ہوتے ہیں —؟ خوشی میں نفرت، شک، تعصب، لالچ، غصہ، خوف و اضمحلال غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ روشنی ہے جس سے ہم دلوں کو روشن کر سکتے ہیں۔

بچے ذمہ داریوں سے مبرا زندگی کو بھرپور انداز میں گزارتے ہیں اور گہرے تاریک ماحول میں رنگ بھرتے ہیں۔ بچہ کی موجودگی خاندان کے ہر فرد کو خوش کر دیتی ہے۔ اسے یقین حاصل ہوتا ہے اور یہ یقین وہ صلاحیت ہے جو بچوں کو کامیاب کرتی اور خوش رکھتی ہے۔ بچے لڑکپن سے جوانی میں داخل ہوتے ہیں، جوانی بڑھاپے میں ڈھلتی ہے اور مدت گزرنے کے بعد بڑھاپا کسی دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ کائنات ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی کا نام ہے۔ ہر مقام

پر وسائل موجود ہیں مگر ہم اس طرح جیتے ہیں جیسے ہر شے ہماری ملکیت ہے۔

دوسروں کی آخری رسومات میں شرکت کر کے تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کے جانے کا وقت آچکا تھا لیکن اپنی زندگی ایسے گزارتے ہیں جیسے موت دوسروں کے لئے ہے، ہم پر یہ وقت نہیں آئے گا۔

ہر سانس میں زندگی ہے۔ سانس ایک عالم میں داخل اور پھر دوسرے عالم میں داخل ہوتا ہے۔ ان دونوں عالموں کے درمیان وقفہ — پردہ ہے۔ پردہ کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اُس پار کیا ہے اور چوں کہ پردہ درمیان میں حائل ہے اس لئے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اِس پار (عالم رنگ و بو) کیا ہے۔ اس پورے عمل میں جسے ہم زندگی کہتے ہیں، اپنے متعین مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ کام یابی یقین سے مشروط ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات اہم ہے کہ ہم کتنے مستقل مزاج ہیں اور ناکامی و کام یابی کا سامنا کس طرح کرتے ہیں۔

کام یابی کا تعلق ذہن سے ہے — وہ ذہن جو بچہ کا ہے۔ ہم بچوں کو پریشان یا ذہنی دباؤ میں نہیں دیکھتے — وہ اضطراب سے آزاد ہوتے ہیں، ان میں ترک ہوتا ہے۔ بچپن کے ذہن کو پھر سے اختیار کرلیں تو سچی خوشی حاصل ہوگی جس کے ذریعے ہم دنیا کو بہتر بنانے میں معاون کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ہر کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا کو بہتر جگہ بنانا چاہتے ہیں لیکن تبدیلی کی ابتدا اپنے آپ سے نہیں کرتے۔ اس سوچ کو بروئے کار لانے کے لئے اپنے دل سے بہتر اور کون سا مقام ہے جب کہ محاسبہ کر کے، خود کو تبدیل کر کے بہتر مستقبل سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

ہم میں سے بیش تر لوگ خلق خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کے لئے بڑے بینک بیلنس کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ ضروری ہے۔ مقصد کی تکمیل میں وقت اور کوشش درکار ہے، مشکلات آنے والے حالات کے لئے تیار کرتی ہیں۔ خود کو خوش رکھنے اور دوسروں کو بھی خوش رہنے میں مدد دینے کا وقت ہمارے پاس یہی ہے جس میں ہم جی رہے ہیں۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، یہاں سے جانے کے بعد ہمارا مال و اسباب وہ کیفیات ہیں جن میں ہم نے زندگی گزاری۔ لہٰذا زندگی کو بچہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کریں۔ جن سے محبت ہے انہیں بتائیں کہ انہیں کتنا چاہتے ہیں، جس طرح بچہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔

ہر لمحہ حال ہے جو گزر کر ماضی بن جائے گا۔ آیئے ہم مل کر اپنے حال کو بہتر بنائیں، اپنے آپ سے اور لوگوں سے محبت کریں۔ جو خود سے محبت کرتا ہے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا کیوں کہ وہ جان لیتا ہے کہ نقصان کے اثرات پہلے ہمیں متاثر کرتے ہیں اس کے بعد ماحول میں پھیلتے ہیں۔ دعا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ امن قائم ہو، آمین۔

روشن نظیر

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں

جانتے ہوسقراط کی درس گاہ کا صرف ایک اصول تھا— برداشت! وہ لوگ ایک دوسرے کے خیالات تحمل سے سنتے تھے۔ بڑے سے بڑے اختلاف پر ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے۔

اس روز میں خاموش تھا۔ طالب بھائی نے پوچھا، کیا بات ہے، آج تم نے کوئی سوال نہیں پوچھا—؟

طالب بھائی! آفس میں اتنی منافقت ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا، آخر انسان ہوں، کتنا برداشت اور نظر انداز کروں؟ لوگوں کے رویے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ کچھ سمجھاؤ تو بحث وتکرار اور لڑائی پر اتر آتے ہیں۔

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ پیچھے نہیں ہٹتے تو تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ خود کو صحیح ثابت کرنا چھوڑ دو، دوسرا تمہارے بارے میں جو چاہے رائے قائم کرے، تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہئے۔ نظر انداز کرنا سیکھو اور بحث وتکرار سے ہمیشہ گریز کرو۔ اس وقت تم صرف ایک شخص کو تبدیل کر سکتے ہو اور وہ تم ہو!

میں نے سوچا یہاں تو کہانی ہی الٹ ہوگئی۔ کسی اور کی شکایت لے کر آیا تھا اور انہوں نے میری خامی کی نشان دہی کر دی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد کہا،

ایسا وقت بھی آئے گا جب تمہاری فکر (سوچ) کا لنگر پھیلے گا۔ یاد رکھو! ہم ہر لمحہ لہریں قبول اور خارج کرتے ہیں۔ منفی لہروں کو مثبت سوچ سے مغلوب کر دو۔ نتیجہ میں مثبت لہریں خارج ہوں گی اور ماحول تبدیل ہوگا۔ اگر ماحول تبدیل نہیں بھی ہوتا، کوئی بات نہیں، تمہارا ذہن کھل جائے گا، برداشت پیدا ہوگی، معاف کرنے کا حوصلہ ہوگا۔ یاد رکھو! پریشان رہنا مشکل اور معاف کرنا آسان ہے۔ کسی کی خامی پتہ چل گئی تو اس پر واضح کر کے نیچا دکھانے کی کوشش مت کرو۔ خامی رویہ ہے جو کل کو تمہارا بھی ہوسکتا ہے۔

تم ٹھیک کہتے ہو کہ لوگوں میں برداشت نہیں مگر میرے بھائی آخر یہ لوگ ہیں کون—؟ میں اور تم ہی تو ہیں۔ ہمارے یہاں بحث ومباحثہ اور اختلاف رائے کو برا سمجھا جاتا ہے۔۔ جانتے ہوسقراط کی درس گاہ کا صرف ایک اصول تھا— برداشت! وہ لوگ ایک دوسرے کے خیالات تحمل سے سنتے تھے۔ بڑے سے بڑے اختلاف پر ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے۔

ہر صوفی دوسرے صوفی کا احترام کرتا ہے اس لئے کہ مرکز ایک ہے۔ اللہ کے دوستوں کی محفل میں بیٹھو گے تو

بردباری اور برداشت کرنا سیکھو گے۔

آپ نے سقراط کو پڑھا ہے ــــ؟

میں نے سقراط کو تو نہیں پڑھا البتہ سقراط کی کتابیں پڑھی ہیں اور تحریر لکھنے والے کا ذہن ہوتی ہے اس لئے تمہارا تجزیہ ٹھیک ہے، میں نے سقراط کو پڑھا ہے۔

مجھے ان کا جواب خوب صورت لگا۔ وہ الفاظ سرسری طور پر نہیں سنتے تھے، غور بھی کرتے تھے۔

مگر دوست ضروری نہیں کہ کتابیں پڑھ کر لکھنے والے کے ذہن تک رسائی ہو جائے۔ ہاں! غور سے پڑھو گے تو ذہن سے واقف ہو گے۔ مطالعہ کا ذوق ہے ــــ؟

نہیں جناب، کہاں! بس آپ کے کہنے پر قرآن کریم کو روزانہ پڑھنا شروع کیا ہے۔

انبیائے کرام کے واقعات پڑھو، اولیاء اللہ کی سوانح حیات کا مطالعہ کرو۔ ہر اس شخص کے بارے میں پڑھو جس نے انسانیت کا درس دیا اور ان لوگوں کے حالات بھی جن کی وجہ سے قومیں تباہ ہوئیں۔ کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ ہم ایک وقت میں ایک زندگی گزارتے ہیں لیکن مطالعہ سے بہت سی زندگیاں جیتے ہیں۔

سقراط کا کہنا تھا کہ برداشت سوسائٹی کی روح ہوتی ہے۔ سوسائٹی میں جب برداشت کم ہو جاتی ہے تو مکالمہ کم ہو جاتا ہے اور جب مکالمہ کم ہوتا ہے تو معاشرہ میں وحشت بڑھ جاتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اختلاف، دلائل اور منطق پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے۔ یہ فن جب تک پڑھے لکھے، عالم اور فاضل لوگوں کے پاس رہتا ہے اس وقت تک معاشرہ ترقی کرتا ہے لیکن جب مکالمہ یا اختلاف جاہل لوگوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو پھر انارکی پھیلتی ہے۔ عالم اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں برداشت نہ آجائے اور جب تک وہ ہاتھ اور بات میں فرق نہ رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ عدم برداشت، غصہ، اور دھمکی سقراط کی درس گاہ کا ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا اور اس جرم کی سزا بہر حال بھگتنا پڑتی تھی۔

جنید! خانقاہی نظام میں تربیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ سالک میں برداشت پیدا کی جائے تاکہ اس کا دل سمندر ہو جائے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ با ادب، بانصیب ــــ بے ادب، بے نصیب!

طالب بھائی! آفس میں ناصر سے بات ہوئی تو اس نے میرے یہاں آنے اور آپ سے ملنے پر منفی تبصرہ کیا۔ میں برداشت نہیں کر سکا اور تو تکار ہو گئی۔

انہوں نے طمانیت سے جواب دیا، مرزا غالب کی ''قاطع برہان'' کے بہت لوگوں نے جواب لکھے ہیں اور بہت زبان درازیاں کی ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ نے فلاں شخص کی بات کا جواب نہ لکھا۔ فرمایا، بھائی! اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟

اگر اس نے برا کہہ دیا تو کوئی بات نہیں۔ کیا میں یا تم اس کے برا کہنے سے برے بن گئے ــــ؟

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی

جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔'' (حٰمٓ السجدۃ: ۳۳-۳۵)

انہوں نے کہا، اس آیت کو راہ نما اصول بنا لو۔ تمہارے اندر دوسروں کا احترام پیدا ہوگا اور تم بھی لوگوں میں محترم ہو جاؤ گے۔

طالب بھائی جیسے دوست کی قربت سے جہاں میں اپنی خامیوں سے واقف ہوا، وہاں ان کی شخصیت میں رعب و دبدبہ بھی بہت تھا۔ عمر میں زیادہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کو بھائی کہتا تھا لیکن ایسی بے تکلفی نہ تھی جس سے ادب کی حد متاثر ہو۔

ایک روز ان سے کہا، یہ درگاہ آپ کے مرشد کا مزار ہے لیکن اب تک آپ نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

فرمایا، میں نے تمہیں وہی بتایا ہے جو اپنے پیرومرشد سے سیکھا ہے۔ ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ جب تم یہاں آئے تو تمہارے ذہن میں تھا کہ میں تمہیں متاثر کرنے کے لئے ہر بات میں اپنے پیرومرشد کا ذکر کروں گا جب کہ میں نے ایسا ہی کیا، میری ہر بات — ان کی بات ہے۔ میں بھی تمہاری طرح سکون کی تلاش میں تھا، اللہ نے اپنے دوست سے ملا دیا اور مجھے منزل مل گئی۔ ایک بات یاد رکھنا! یہاں گلی گلی میں تمہیں راہ نما ملیں گے لیکن ہر کوئی کامل نہیں ہے۔ کامل مرشد کی نشانی ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر تم سکون محسوس کرو گے اور ذہن میں سوائے اللہ کے کوئی خیال نہیں آئے گا۔

شرمندہ ہو گیا کہ انہیں میری سوچ معلوم تھی لیکن مجھ پر آشکار نہیں کیا۔ ایک روز ان سے کہا تھا مجھے جس منزل کی تلاش تھی، میں وہاں آ گیا ہوں لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا۔ نظر انداز کرنے کی وجہ آج سمجھ میں آئی۔

آج ہم ان کے کمرے کے بجائے، صحن میں درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا، جنید! جب تم قرآن کو توجہ سے پڑھو گے تو محسوس کرو گے مالک کائنات تم سے، ہم سے، سب سے مخاطب ہے۔ یہ سمجھ کر قرآن پڑھو گے کہ اللہ تم سے باتیں کر رہا ہے تو توجہ قائم ہو جائے گی۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور ہر پڑھنے والے کو مخاطب کرتا ہے۔ قرآن کے کلام پر غور کرو تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ مقدس کتاب ہم سے باتیں کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کبھی تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو، اسے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟ ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی ایسی شکل میں پیدا

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ـــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلو سبز

کراچی: 021-36039157
حیدرآباد: 0222781798
میرپورخاص: 03133508543
ڈگری: 03453700144
ملتان: 03006338192

فیصل آباد: 041-8540132
لاہور: 03224112737
راولپنڈی: 051-5169242
اٹک: 03135168800
ہری پور: 03135914147

پشاور: 03219110156
مانسہرہ: 03005621447
مظفرآباد: 05822446661
میرپور: 03455701558

ناریل کا سفر

موسمی پھل اور دیگر غذائیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ غذا، صحت اور ذائقہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بندہ کو تفکر کی جانب مائل کرتی ہیں ۔ نارنگی میں رنگ ، رس بھری قاشیں، نازک بیل پر جھولتے انگور کے بھاری خوشے، سرخ و گلابی دانوں کی پوٹلی انار، خربوزہ اور تربوز میں رنگ، خوش بو اور پانی ـــ جس صناعی پر غور کریں، نئے نئے روزن روشن ہوتے ہیں۔

پھلوں اور پانی کا ذکر ہو تو ناریل کی تصویر ذہن میں بنتی ہے۔ غذائیت سے بھر پور پانی، گودا، تیل، دودھ اور چھلکے کا حامل پھل ''ناریل'' صرف کھانے پینے میں مفید نہیں، غور و فکر کیا جائے تو اس میں متعدد قدرتی قوانین کارفرما ہیں۔

سبز رنگ کچا ناریل ''ڈاب'' میں پانی اور اس کی گری بالائی کی طرح ہوتی ہے۔ ڈاب کے پانی کو بعض ماہرین بازاروں میں دستیاب دودھ سے زیادہ مفید قرار دیتے ہیں۔ کولیسٹرول نہ ہونے کے علاوہ اس میں چکنائی کم ہوتی ہے۔ ناریل کا پانی دوران خون اور نظام ہضم کو بہتر بناتا ہے اور مدافعتی نظام مضبوط ہوتا ہے۔ گردے میں پتھری کے مریضوں کے لئے مفید ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ناریل کا پانی سنگترے کے جوس سے زیادہ سودمند ہے۔ اس میں سنگترے کے جوس سے کم حرارے ہوتے ہیں۔ نمک کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے خون کے سرخ ذرّات محفوظ رہتے ہیں۔

ناریل کے تیل کو بالوں کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں ناریل کا تیل کھانے اور مالش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مختلف وٹامنز، معدنیات اور اینٹی بیکٹیریل اور اینٹی فنگل اجزا کی وجہ سے اس کا باقاعدہ استعمال کیل مہاسوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ناریل کا تیل قدرتی موئسچرائزر ہے، خشکی کا خاتمہ کر کے جلد کو نرم اور ملائم بناتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ناریل کا تیل انڈوں کو تقریباً ایک سال تک تازہ رکھ سکتا ہے۔ انڈوں پر ناریل کے تیل کی ہلکی کوٹنگ کریں تو نو سے بارہ ماہ تک قابل استعمال رہ سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تیل کے استعمال سے انڈوں کی سطح پر قدرتی سیل بن جاتی ہے جو آکسیجن کو باہر نکلنے سے روکتی ہے۔

دنیا میں ہر شے ہجرت کرتی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتی رہتی ہے ـــ ناریل بھی

سوچئے اور بتایئے— پانی کا وصف نشیب میں بہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا میکانزم بنایا ہے جس کی وجہ سے ناریل کے درخت میں پانی نشیب کے بجائے بلندی کی جانب سفر کرتا ہے اور ستّر فٹ اوپر چڑھ کر ناریل کے کٹورے میں جمع ہوجاتا ہے—؟

ہجرت کرتے ہیں اور ان کی ہجرت کا سفر دل چسپ ہے۔ یہ ساحلی علاقوں کا درخت ہے جہاں ناریل پک کر پانی میں گرتا ہے یا سمندر کی لہریں ساحل سے پانی میں لے جاتی ہیں۔ یہ مخصوص خول کے باعث پانی کی سطح پر رہتا ہے ڈوبتا نہیں۔ ہفتوں یا مہینوں سفر کے بعد ناریل ایک ساحل سے دوسرے ساحل پر پہنچتا ہے اور وہاں آباد ہوجاتا ہے۔ ناریل کا ہر حصہ استعمال ہوتا ہے۔ خول سے برتن، رسیاں، چٹائی، پائے دان وغیرہ اور بعض موسیقی کے آلات بنائے جاتے ہیں۔

ناریل کے فوائد اور ٹوٹکے:

★ بینائی کی بہتری کے لئے ہر روز نہار منہ کوزہ مصری ہم وزن ملا کر کھانا مفید ہے۔

★ پیٹ کے کیڑوں کو مارنے کے لئے پرانے ناریل تین ماشہ کھانا مفید ہے۔

★ ناریل کا تیل لگانے سے پلکیں ملائم ہوجاتی ہیں۔

★ چھلکوں کے جوشاندے سے غرارے کرنے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔

★ کچے ناریل سے بھوک میں اضافہ ہوتا ہے۔

★ کھانسی اور دمہ میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

★ اندرونی چوٹ پر پرانے ناریل میں ایک چوتھائی ہلدی ملا کر پوٹلی باندھ لیں اور اس کو گرم کر کے چوٹ کی جگہ ٹکور کرنے سے درد اور سوجن ٹھیک ہوجاتی ہے۔

★ یرقان میں مفید ہے۔ کچے ناریل کا پانی پینے سے پیشاب کی مختلف بیماریاں دور ہوتی ہیں۔

★ بال گرنے کی صورت میں اس کا تیل فائدہ مند ہے۔

★ ناریل کا پانی معدہ کی سوجن کا بہترین علاج ہے۔

★ ناریل کا دودھ گلے کی خراش اور تمباکو نوشی سے ہونے والی خشک کھانسی میں مفید ہے۔

★ آدھا کپ ناریل کا دودھ، ایک کھانے کا چمچہ شہد اور گائے کا دودھ ملا کر رات کو سونے سے پہلے پی لینے سے خراش اور خشک کھانسی ختم ہوجاتی ہے۔

★ تیل کو زنگ پر لگائیں اور ایک گھنٹہ تک لگا رہنے دیں، اس کے بعد گرم پانی سے دھولیں، زنگ صاف ہوجائے گا۔

★ کپڑوں کے داغ کی صفائی کے لئے، ناریل کے تیل اور بیکنگ سوڈا کی یکساں مقدار کو ملا کر استعمال کریں۔

★ لکڑی کے فرنیچر پر چمک واپس لانے کے لئے تیل کے استعمال سے چمک دیر تک رہتی ہے۔

محمد عدنان خان

پرتیاہار

نورِ ہدایت سے معمور ایک ایسے تشنہ روح فرد کی سرگزشت جس کو حوادث نے استدراج کی سیاہ گھاٹیوں اور کالے علوم کے اندھیرے راستوں کا مسافر بنا دیا تھا۔

بابا سونیری کی تربیت سے میرا شمار بڑے جادوگروں میں ہونے لگا۔ ایک روز دادا محلّہ میں مجذوب کے آمد کی وجہ سے بصارت سے محروم ہوگئے اور ہمیں علاقہ چھوڑنا پڑا۔ ہنی دان قدیم قبرستان کے قریب رات میں جھونپڑی میں اجنبی کی موجودگی سے خوف زدہ ہوگیا۔ اس کا نام ملوکا تھا اور وہ وڈیرا دھاندل سے انتقام لینا چاہتا تھا لیکن دادا کی وجہ سے قید میں تھا۔ دادا ملوکا کے دوست کرم علی کے مرشد سے خوف زدہ تھے۔ کرم علی نے ملوکا کے پیغام کے باوجود گھڑ دوڑ میں حصہ لیا، دوڑ جیت گیا لیکن بہن اور گھر سمیت دھاندل کے انتقام کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ملوکا کو انصاف دلانے میں مدد کی۔ عیاش بیٹوں کی موت نے دھاندل کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ ملوکا آزاد ہو چکا تھا، کرم علی کے مرشد نے اسے قبول کرلیا اور میرے لئے نیک راہ اختیار کرنے کا پیغام بھجوایا۔ ہنی دان پہنچا تو ہر طرف آگ تھی۔ باظناری جنات نے حملہ کر دیا تھا۔ بابا سونیری نے انہیں خوب نقصان پہنچایا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ پھر آئیں گے، ہم جوابی حملہ کے لئے تیار تھے۔ گھمسان کا معرکہ ہوا اور دونوں طرف بھاری نقصان ہوا۔ دادا اور بابا سونیری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور میں بے ہوش ہوگیا۔ آنکھ کھلی تو سلطنتِ جنات میں باظناریوں کی قید میں تھا۔ فرار کے دوران ظربوق سے ملاقات ہوئی — میرے جسم پر کیڑے لگ چکے تھے۔ ظربوق نے بتایا کہ اس کے مرشد حضرت صاحب میری مدد کر سکتے ہیں۔ کافی پس و پیش کے بعد ظربوق کے ساتھ جانے کی ہامی بھری۔ حضرت صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی لیکن ان کی زیرِ نگرانی میرا علاج ہوتا رہا۔ جسم ٹھیک ہوا تو ایک روز خلیفہ صاحب نے بتایا کہ حضرت صاحب سے ملاقات کا وقت آگیا ہے۔ خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے گلے لگایا اور استدراج کی دنیا چھوڑ کر یقین کی دنیا میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ حضرت صاحب سے ملاقات نے مجھے جھنجوڑ دیا تھا۔ ان کی باتوں سے دل پر ضرب پڑی، میرا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، عجیب احساسات اور ندامت سے دوچار تھا۔

غفور الرحیم اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے طفیل حضرت صاحب کی توجہ سے میرے اندر استدراج کے زیرِ اثر پیدا ہونے والی کثافت بتدریج ختم ہو رہی تھی۔

مغرب کا وقت نزدیک تھا۔ بستر سے اٹھا، چادر تبدیل کی اور غسل کرنے چلا گیا۔

باتھ روم سے باہر آیا تو ظربوق کمرے میں موجود تھا۔ ہاتھ میں دودھ کا گلاس اور دو کھجوریں تھیں۔ پرجوش مسکراہٹ کے ساتھ بولا، بہت مبارک ہو — حضرت

صاحب تعریف کر رہے تھے کہ تم میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ میں نے پوچھا، پہلے یہ بتاؤ اتنے دن کہاں تھے؟

اس نے بتایا کہ خلیفہ صاحب کی چھوٹی صاحب زادی فناسر کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

اچھا، یہ تو خوشی کی بات ہے مگر خلیفہ صاحب نے شادی کا تذکرہ نہیں کیا۔

ظر بوق سنہرے موتیوں کا ہار ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتے ہوئے بولا، تم جن مراحل سے گزر رہے ہو ایسے میں وہ تم سے کیا تذکرہ کرتے، دو دن بعد شادی ہے اور انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔

میں مشکور تھا کہ مصروفیت کے باوجود خلیفہ صاحب میری دل جوئی کے لئے موجود رہے۔ یہ تو بتاؤ شادی کس سے ہو رہی ہے؟

شاہ جنات کے بھتیجے ''میر زادہ'' سے۔ حمورابی، تمہارے گلے میں ہار بڑا انعام ہے۔ یعنی تمہیں سلطنت جنات میں خصوصی مراعات حاصل ہو چکی ہیں۔

مجھے مراعات سے کیا لینا دینا، یہ سب راستہ کی چیزیں ہیں۔ ہم آگے بڑھیں گے تو یہ مناظر پیچھے رہ جائیں گے، ان میں کھو گئے تو آگے نہیں بڑھیں گے۔ میں تو بس اب اپنے رب کی خوش نودی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

دوست، بابا سونیری نے تمہاری استدراجی تربیت کی، ذہن کسی حد تک بدل دیا لیکن دل نہیں بدل سکے۔ یہ تم پر اللہ کی رحمت ہے کہ استدراج کی گھاٹیوں میں دور تک جانے کے باوجود تم دلدل سے نکل آئے۔

حمورابی، یہ جو مدد کرنے کا جذبہ ہے نا — یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ حضرت صاحب نے بھی فرمایا تھا کہ تم نے کہیں نہ کہیں لوگوں کی مدد کی ہے بالخصوص ملوکا کی۔ پھر خود مصیبت میں ہونے کے باوجود مجھے دیکھ کر رک گئے اور باظناریوں کی قید سے آزاد کروایا۔ اللہ سب پر رحم فرماتا ہے لیکن دوسروں کی مدد کرنے والوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہوتا ہے۔ اللہ تمہیں اپنی آغوش رحمت سے سرفراز فرمائے۔ بات ختم کر کے اس نے تاکید کی کہ آج افطار میں صرف دو کھجوریں کھانی ہیں اور ایک گلاس دودھ پینا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں کھانا۔

میں نے کہا، ظر بوق، اللہ کی دی ہوئی توفیق سے میں نے اس کی راہ میں قدم بڑھایا ہے لہٰذا کھانے پینے میں ترک کی کوئی حیثیت نہیں بات عادت کی ہے۔ جتنا کھانے کی عادت ہوتی ہے، آدمی اتنا کھاتا ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے کئی دن کھانا نہیں کھایا، ریاضت و مجاہدہ میں رہے۔ کھانا کھانے سے کوئی زندہ نہیں رہتا اور کھانا نہ کھانے سے مرتا نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے دوری موت ہے۔

سبحان اللہ حمورابی، تمہارے اظہار کا طریقہ بہت خوب صورت ہے۔ کیا سارے انسان اپنے جذبات کا اسی طرح اظہار کرتے ہیں —؟

میں انسانوں میں رہا ہی نہیں دوست، خلیفہ صاحب نے بتایا تھا انسان تو اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ جو نیابت

سے واقف نہیں، وہ انسان کیسے ہوسکتا ہے—؟ وہ تو اسفل سافلین میں ہے، پست سے پست درجہ میں۔ البتہ ژولین سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔

ژولین کا نام سن کر ظربوق مسکرا دیا۔ حمورابی اس سے باتوں کے دوران کسی طور ژولین کا ذکر لے ہی آتا تھا۔

ہاں، ژولین سے یاد آیا۔ حضرت صاحب سے آج دوپہر کرائم ڈپارٹمنٹ کے افسران ملنے آئے تھے۔ حکومت نے باظنار کا محاصرہ کرلیا ہے اور معاملہ کی مکمل نگرانی اور معاونت شاہ جنات کی درخواست پر حضرت صاحب خود فرما رہے ہیں۔ حکومت کا سامنا جادوگروں کے بے مہار ٹولے سے ہے۔

میں نے افسردگی سے کہا، کاش میں بھی حضرت صاحب کے ساتھ خدمت گار کے طور پر موجود ہوتا۔

جانتے ہو حمورابی، حضرت صاحب تم سے خوش اور مطمئن ہیں لہٰذا تم بھی مطمئن رہو۔ بس اپنی دوست کے لئے دعا کرو کہ باظناریوں نے نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔

کیسے کہہ سکتے ہو ژولین باظناریوں کی قید میں ہے؟

حکومتی افسران اور حضرت صاحب کے درمیان گفتگو کا کچھ حصہ میں نے سنا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ژولین کو بھی اغوا کرلیا گیا تھا۔

یہ سن کر میں مضطرب ہوگیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے حفظ و امان میں رکھے، وہ با اخلاق، ذہین اور سلیقہ شعار تھی۔ حضرت صاحب سے ملاقات کے بعد اس کی دنیا بھی بدل جائے گی۔

ظربوق نے کہا، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ مغرب کا وقت قریب ہے، مجھے اجازت دو اور تم افطار کی تیاری کرو۔ سحری میں ملاقات ہوگی۔ ظربوق دروازہ سے باہر جھانک کر دیکھتے ہوئے اٹھ گیا۔

بھوک غائب ہوگئی تھی۔ ژولین کا خیال ذہن پر سوار رہا کہ وہ کیسی اور کس حال میں ہوگی۔ وہ تو ہجوم میں بھی منفرد نظر آتی تھی۔ ژولین کے ساتھ گزرے وقت کی یاد تازہ ہوگئی۔ ایک بار پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

پہلے روزہ کا ثمر مجھے خواب کی صورت میں ملا تھا۔ طبیعت میں لطافت اور پاکیزگی غالب ہونا شروع ہوگئی تھی جو میرے لئے انعام سے کم نہ تھا۔ مگر اب ژولین کے متعلق ظربوق کی اطلاع پر میں فکرمند ہوگیا۔ بار بار زبان پر دعائیہ کلمات آجاتے۔ دعائیہ الفاظ کا زبان پر آنا نعمت سے کم نہیں کہ بندہ جب فرعونیت کا چولا اتار کر رب کے حضور سرنگوں ہوجاتا ہے تو اپنی نفی ہوجاتی ہے، وہ دعا کے ذریعے اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے۔

میرے اندر باظناریوں کے لئے پیدا ہونے والے انتقامی جذبات سرد پڑ چکے تھے۔ لڑنے، ٹکرانے، مرنے اور مار ڈالنے کا کوئی جذبہ دور دور تک موجود نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باظناریوں پر غصہ کے بجائے ژولین کے لئے دعائیہ کلمات بار بار زبان پر آجاتے۔ اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی تھی مگر اس کی زبان شکوہ شکایت سے

نا آشنا تھی۔ میں نے اسے کبھی شکوہ کرتے نہیں سنا۔

خیالات میں گم تھا کہ مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ کھجوروں اور دودھ سے روزہ افطار کیا۔

دوسرے روزہ کی ابتدا آب زم زم اور نمک سے ہوئی۔ یہ تحفہ حضرت صاحب کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ سارا دن پیش نظر یہ رہا کہ میرا روزہ فقط اللہ کی خوش نودی کے لئے ہے۔ نتیجہ میں روزہ کے تحت محسوس ہونے والی نقاہت سے لطف آنے لگا کہ میرا صبر و استقامت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

دوسرے روزہ کے بعد تیسرا روزہ بھی اس احساس کے تحت گزر گیا۔ روزہ سے پہلے ظربوق اور مردال خلیفہ صاحب کے پیغام کے ساتھ آ گئے کہ آج کا افطار ان کے ساتھ ہے۔ بعد از افطار ان کی صاحب زادی فنا سر کا نکاح ہے، مجھے شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

ظربوق اور مردال میری جانب سے پیش کیا جانے والا تحفہ بھی ساتھ لائے تھے۔ اس کے علاوہ میرے پہننے کے لئے نہایت نفیس، سفید اور سنہرے دھاگوں سے تیار کی ہوئی جناتی پوشاک، اسی کپڑے سے تیار کی ہوئی دستار، شاہی کھسّے اور دستانے سب کچھ موجود تھا۔ یہ سب خلیفہ صاحب نے میرے لئے بھجوایا تھا۔

دائیں بائیں ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اہتمام دیکھ کر شرمندہ ہو گیا اور خلیفہ صاحب کے خلوص پر ان کا ممنون تھا۔ جلدی سے تیار ہوا۔ روانگی کے لئے احاطہ کے باہر بگھی تیار تھی جس میں بڑے بالوں والے چار سیاہ چمک دار رنگ کے گھوڑے جتے ہوئے تھے جو ہماری زمین میں پائے جانے والے گھوڑوں سے دگنے سائز کے تھے۔ بگھی جدت میں بے مثال اور نظام ہماری گاڑیوں کی طرح آٹو میٹک تھا۔ بہترین شاک ایبزار بر (shock absorber)، اندر روشنی کے لئے خوب صورت لیمپ، گویا بگھی کا اندرونی حصہ ہماری زمین کی بہترین گاڑیوں سے کسی طور کم نہیں تھا۔ بگھی کا رنگ گھوڑوں کی رنگت کی مناسبت سے سیاہ تھا۔ جناتی گھوڑوں کا قد کاٹھ زمین پر موجود کسی فرد کو ہیبت زدہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔

تین افراد پر مشتمل قافلہ میں میری حیثیت مرکزی تھی۔ مردال اور ظربوق مجھے رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ قد چوں کہ میرا بھی خاصہ لمبا اور جسم کسرتی تھا لہٰذا ان میں اور مجھ میں زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ظربوق نے سنہرے موتیوں کا ہار لباس کے اندر سے نکال کر باہر کر دیا جو سینہ پر بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ وہ بولا، اسے کیوں چھپا رکھا ہے، یہ تو سلطنت جنات میں تمہارے لئے خصوصی مراعات اور خاص مہمان ہونے کی سند ہے۔

ظربوق، میں جب زمین پر تھا تو خود کو بہت خاص سمجھتا تھا لیکن اب بہت عام اور حقیر سمجھتا ہوں۔ میری حیثیت ذرّہ بھی نہیں ہے۔

ظربوق بولا، بے شک اللہ کو تکبر پسند نہیں ہے، وہ

عجز وانکساری کو پسند فرماتا ہے اور جن میں عجز وانکساری ہوتی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

بگھی کی سواری کا مزا ہی اور تھا۔ ذرا دیر میں ہوا سے باتیں کرنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ''قصرِ میر زنجانی'' کے آہنی دروازہ پر رک گئی۔ مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ خلیفہ صاحب اور دلہا میر زادہ کے والد مہمانوں کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضرت صاحب اور شاہ جنات تشریف لا چکے تھے۔

بگھی سے اترتے وقت ظربوق نے میری دستار کے اضافی کپڑے کو جو کاندھوں پر موجود ہوتا ہے، چہرہ پر نقاب کی صورت لپیٹ دیا۔ جناتی دستار پہلے سے پہنے ہوئے تھا لہٰذا پورا وجود چھپ گیا۔ یہ سب احتیاط کے پیش نظر تھا کہ تقریب میں کوئی بدمزگی نہ ہو۔ شاہ جنات کی شرکت کی وجہ سے وہاں موجود جناتی خفیہ فورس کے اہل کاروں نے چہرے تقریباً اسی انداز میں چھپا رکھے تھے اس لئے میرا نقاب معمول کے مطابق محسوس ہوا۔

خلیفہ صاحب بڑی محبت سے ملے اور قصر کے اس حصہ میں لے کر آئے جہاں افطار کا انتظام تھا۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ میرے ساتھ ساتھ شاہ جنات، حضرت صاحب اور خلیفہ صاحب کے علاوہ بہت سے جنات کا روزہ تھا مگر قصر کے اس حصہ میں چند لوگوں کے لئے افطار کا اہتمام تھا باقی لوگ دوسرے حصہ میں تھے۔ حضرت صاحب سے سلام ودعا کا موقع ملا۔ شاہ جنات نے بھی خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ محسوس کیا کہ وہ حضرت صاحب سے میرے متعلق بات کر رہے ہیں کیوں کہ باتوں کے دوران بار بار ان کی نگاہیں مجھے حصار میں لے رہی تھیں۔ گلے میں سنہرے موتیوں کا ہار سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ یہاں لوگوں سے میرا تعارف کروادیا گیا تھا، اس وجہ سے بھی ہر کوئی بار بار مجھے دیکھ رہا تھا۔ افطار کے بعد نماز مغرب کی ادائیگی میں ظربوق نے میری مدد کی۔

بعد از مغرب تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پورا قصر روشنی سے جگ مگا رہا تھا۔ ہر طرف رنگ و روشنی کے دل فریب نظارے تھے۔ تقریب کی تیاریوں سے جانا کہ جنات میں بھی تحقیق و تلاش کا ذوق موجود ہے۔ انہوں نے ایسی بیٹریز بنالی تھیں جو معمولی حرارت سے بڑے گھر کو پورے سال کے لئے روشنی فراہم کرتی تھیں۔ صرف ایک بیٹری نے قصر کو رنگ و روشنی کی آماج گاہ بنا دیا تھا۔

سلطنت کے اپنے رسم و رواج تھے۔ نکاح کے بعد صرف ولیمہ کی تقریب ہوتی جس کا تمام انتظام وانصرام دلہا کی جانب سے کیا جاتا تھا۔ لڑکی کے والدین اپنی خوشی سے جو کچھ بیٹی کو دینا چاہتے، دے دیتے۔ البتہ لڑکی والوں پر اس حوالہ سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں تھی نہ جہیز کا چکر تھا۔ نکاح کے بعد دلہا میر زادہ اور دلہن فنا سراسٹیج پر آئے تو ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور

بلند ہوا۔ سب نئے جوڑے کے لئے دعا گو تھے۔ خوب صورتی میں دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔

تھوڑی دیر بعد قصر زنجانی کی جانب سے پر تکلف طعام شروع ہوا۔ مچھلی اور مور کی ہڈیوں سے تیار کردہ انواع واقسام کے کھانے، صندل اور انگور کی لکڑی کے کوئلے سے تیار کی گئی ڈشز رغبت سے کھائی جارہی تھیں۔ سلطنت کے بہت سے امرا اور رؤسا تقریب میں مدعو تھے۔ میں زیادہ وقت کمرے میں رہا۔

جو لوگ میری حقیقت سے آشنا تھے وہ مختلف نوعیت کے سوالات کے ذریعے مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتے، میں خوش دلی سے جواب دے دیتا۔ ان میں ایک صاحب تعلیم کے شعبہ کے سربراہ تھے، ان سے کافی دیر بات چیت ہوئی۔ جاننا چاہتا تھا کہ سلطنت میں تعلیم و تدریس کا کیا طریقہ رائج ہے۔ میری دل چسپی کے پیش نظر انہوں نے اپنے تعلیمی مرکز ''آگفس'' کے دورہ کی دعوت دی جو میں نے خلیفہ صاحب کی تائید کے بعد قبول کرلی۔

تقریب پوری رات جاری تھی مگر میری اندرونی کیفیت اضطراب اور اکتاہٹ کا شکار رہی اس لئے میں ظربوق اور مردال کے ہمراہ جلد واپس آگیا۔ وہ دونوں مجھے چھوڑ کر دوبارہ تقریب میں چلے گئے۔

نماز فجر کے بعد حضرت صاحب سے ملاقات کا وقت طے تھا۔ کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔

اچھی خاصی تھکن ہوگئی تھی۔ تھکن کا تعلق جسم سے زیادہ ذہن سے ہے۔ آدمی پریشان خیالی میں مبتلا ہو تو ذہن تھک جاتا ہے اور دماغ سے جسم کو ملنے والی اطلاعات میں تھکن کی اطلاع نمایاں ہوجاتی ہے۔

تقریب میں شرکت سے اندازہ ہوا کہ جنات ہم سے زیادہ مہذب ہیں۔ شادی کی صرف ایک تقریب، اسی میں نکاح اور پھر دلہا کی جانب سے ولیمہ کا اہتمام یعنی دونوں خاندان غیر ضروری مالی بوجھ اور اسراف سے آزاد۔ پھر کھانے کے دوران ان کے نظم وضبط نے بہت متاثر کیا۔ کسی نے کھانے کی میز پر دوڑنے کے لئے جلدی نہیں مچائی۔ سب نے مناسب مقدار میں پلیٹ میں کھانا نکالا۔ بے شک کھانا دوبارہ لے لیا جائے لیکن ضائع نہ ہو۔

جب کہ ہمارے یہاں اللہ معاف کرے وہ منظر ہوتا ہے کہ شرم سے سر جھک جائے۔ ہر ایک پہلے لینے کی دوڑ میں محفل میں بدنظمی پیدا کردیتا ہے۔ ایک ساتھ دو دو تین تین پلیٹیں بھری جاتی ہیں اور ٹیبل پر سارا کھانا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی پلیٹ اور ٹیبل تربیت اور طرز فکر کا احوال بتاتی ہے۔ میں اس وقت جناتی زون میں ہوں لیکن اگر کسی طرح جناتی شادیوں میں کھانے کے دوران نظم وضبط کا حال آدمی کی دنیا تک پہنچ جائے تو امید ہے کہ وہ اس سے سبق لیں گے کیوں کہ طرز عمل، طبیعت اور شخصیت کا عکاس ہے۔ (قسط: ۲۷)

باولی کھچڑی

قارئین! سدھ بدھ ہونا اچھی بات ہے لیکن سدھ بدھ کا تابع ہونا، داناؤں کے نزدیک — نادانی ہے۔ باولی کھچڑی سے مراد کھو کر پانا ہے۔ دودھ کھویا تو کھویا پایا — عمر کھوئی، تجربہ آیا۔ آنے جانے، کھونے اور پانے میں جو کھچڑی پکتی ہے، وہ زندگی کا حاصل بن جاتی ہے۔ بڑوں کا قول ہے، گھی کہاں گیا کھچڑی میں اور کھچڑی گئی پیاروں کے پیٹ میں۔ آپ بھی اس کھچڑی میں حصہ دار بن سکتے ہیں۔

کبوتر بڑے کام کا جانور ہے۔ آبادیوں میں جنگلوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ کبوتر کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ نیلے کبوتر۔ سفید کبوتر۔ نیلے کبوتر کی پہچان یہ ہے کہ وہ نیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ سفید کبوتر بالعموم سفید ہوتا ہے۔ کبوتروں نے تاریخ میں بڑے بڑے کام سرانجام دیئے ہیں۔ پرانے زمانہ کے لوگ خط و کتابت کے لئے کبوتر استعمال کرتے تھے۔ اس میں بڑی مصلحتیں تھیں۔ بعد میں آدمیوں کو قاصد بنا کر بھیجنے کا رواج ہوا تو بعض اوقات یہ نتیجہ نکلا کہ مکتوب الیہ یعنی محبوب، قاصد سے شادی کر کے بقیہ عمر ہنسی خوشی بسر کر دیتا تھا۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔ **الّو** ہمارے معاشرہ میں بہت مقبول ہے۔ آپ آئے دن سنتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو الّو بنایا یا فلاں شخص الّو بن گیا۔ کبھی نہیں سنا کہ کسی نے کسی کو کبوتر یا طوطا بنایا ہو۔ ہمارے یہاں الّو بے وقوفوں کے معنی میں آتا ہے جب کہ مغربی ادب میں یہ حکمت و دانش کی مثال ہے۔ ہم اس باب میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔ اتنا جانتے ہیں کہ سمجھ دار اور دانش ور لوگ اکثر بھوکے مرتے دیکھے گئے ہیں، کوئی الّو کبھی بھوکا نہیں مرتا۔

تیتر خالص بہت کم ملتا ہے۔ عام طور پر جو جانور ملتا ہے وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہوتا ہے۔ تیتر بڑا ہوشیار پرندہ ہے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب، ایک دکان دار اور پہلوان کہیں جا رہے تھے۔ ایک جگہ تیتر کو بولتے سنا۔ مولوی صاحب نے کہا، دیکھو کتنا اچھا جانور ہے، کہتا ہے سبحان تیری قدرت۔ دکان دار نے کہا، جی نہیں یہ کہہ رہا ہے لہسن میتھی ادرک، پہلوان نے ڈنڈ پھلا کر کہا، بادشاہو! ایہہ گل نئیں۔ یہ کہہ رہا ہے — کھا گھی، کر کسرت۔ اس پر بحث ہوئی، بحث سے تکرار ہوئی، تکرار سے اختلاف پیدا ہوا — تیتر کا کچھ نہیں بگڑا۔

(ابن انشا کی ''اردو کی آخری کتاب'' سے ماخوذ)

بادشاہ کون ہے ــــ؟

ایک بادشاہ کو خود پر بہت غرور تھا۔ اپنے مرتبہ کے بارے میں سوچ کر پھولے نہ سماتا کہ میں اس سلطنت کا مالک ہوں، جس بات کا حکم دیتا ہوں، رعایا تعمیل کرتی ہے۔

گرمیوں کے دن تھے، بادشاہ لشکر کے ساتھ شکار پر گیا۔ تپتی دھوپ میں ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے گرمی اور تکان محسوس ہوئی۔ خادموں سے کہا کہ جب تک غسل نہ کرلوں چین نہیں آئے گا۔ قریب تالاب تھا۔ بادشاہ نے سب کو دور رکنے کا حکم دیا اور تالاب کے قریب جھاڑی میں کپڑے رکھ کر پانی میں نہانے اتر گیا۔

اتنے میں ایک اجنبی وہاں آنکلا، دل چسپ بات یہ تھی کہ اس کی شکل بادشاہ سے ملتی تھی۔ بادشاہ کو پانی میں دیکھا تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہی لباس پہن لیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر لشکر کی جانب بڑھا، کسی نے محسوس نہیں کیا کہ آنے والا سوار بادشاہ نہیں ہے۔

ادھر بادشاہ تالاب سے باہر آیا تو کپڑے غائب تھے اور گھوڑا موجود نہیں تھا۔ پریشان ہوگیا۔ جہاں کپڑے اتارے تھے وہاں پرانا لباس پڑا ہوا ملا۔ بے لباس لشکر کی طرف نہیں جاسکتا تھا اس لئے مجبوراً سادہ لباس پہننا پڑا۔ غصہ اس وقت بڑھ گیا جب دیکھا کہ لشکر اسے چھوڑ کر جاچکا ہے۔

پیدل سفر شروع کیا۔ راستہ میں مشیر اعلیٰ کا گھر تھا۔ وہاں کھڑے محافظ کو رعب دار آواز میں کہا کہ وزیر کو میرے آنے کی خبر کرو۔ بتاؤ کہ بادشاہ کا گھوڑا اور کپڑے چوری ہوگئے ہیں۔ کپڑوں اور سواری کا انتظام کرے اور فوراً محل پہنچ کر معاملہ کی تحقیقات کروائے۔ محافظ سمجھا کہ پاگل شخص ہے۔ بولا، معاف کرو بابا اور جیب سے سکہ نکال کر اس کو دیا۔

بادشاہ آگ بگولا ہوگیا۔ گستاخ میں ابھی تیری درگت بناتا ہوں اور اس پر حملہ کردیا۔ شور سن کر اندر سے دوسرا ملازم آیا اور وزیر کو معاملہ کی خبر دی۔ وزیر نے بادشاہ کو اندر بلایا اور دیکھ کر چونک گیا۔ ہو بہو بادشاہ کی شکل تھی لیکن وہ خود بادشاہ کو محل تک چھوڑ کر آیا تھا اس لئے خود سے کہا کہ اس شخص

کی شکل بادشاہ سے بہت ملتی ہے لیکن یہ سلطانِ معظم نہیں ہو سکتے۔اے اجنبی! کیا معاملہ ہے؟

بادشاہ بولا، میں تجھے اجنبی نظر آتا ہوں؟ میں وہ ہوں جس کی وجہ سے تو آسائشوں میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں اس سلطنت کا بادشاہ ہوں۔

وزیر کو ہنسی آ گئی۔کہا، بادشاہ شکار کے بعد محل تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وقت ضائع مت کرو، میرے آرام کا وقت ہے۔

بادشاہ بولا، میں تمہیں عہدہ سے برطرف کرتا ہوں، احسان فراموش! تم جیسا نا اہل آدمی جو اپنے مالک کو نہ پہچان سکے میرا مشیر نہیں ہو سکتا۔

وزیر نے کہا، بے وقوف آدمی، اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے۔شکل دیکھ اپنی اور بادشاہت دیکھ۔ اسے باہر لے جاؤ، آئندہ یہ اس طرف دکھائی نہ دے۔خادموں نے حکم پر عمل کیا۔بادشاہ نے بہت شور مچایا لیکن کسی نے اس کی نہیں سنی۔

دوسرے وزیروں کے پاس گیا تو یہی صورت حال پیش آئی، سب نے دھکے دے کر نکال دیا۔غصہ میں کھولتا ہوا محل پہنچا لیکن — محافظوں نے اندر جانے نہیں دیا۔آسائش میں زندگی گزارنے والا بادشاہ دل شکستہ ہو گیا۔تقدیر نے عجب پلٹا کھایا تھا۔

محل کی دیوار کے سہارے بیٹھ کر رونے لگا۔ ایک محافظ کو ترس آ گیا۔اس نے بہروپیے بادشاہ کو خبر کی کہ محل کے باہر ایک شخص موجود ہے جس کی شکل آپ سے ملتی ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ بادشاہ ہے اور محل کے اندر آنا چاہتا ہے۔

حکم ہوا، اجنبی کو حاضر کیا جائے۔

سادہ لباس میں موجود بادشاہ محل میں داخل ہوا تو اوسان خطا ہو گئے۔دیکھا — ملکہ اس کے ہم شکل کے ساتھ بیٹھی ہے۔چیخنے چلانے لگا کہ جھوٹے مکار آدمی، تو نے تخت دھوکے سے حاصل کیا ہے اور میرے لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔محافظوں نے پکڑ لیا کہ پاگل دیوانہ ہے۔

بہروپیا بادشاہ بولا، دربار میں حاضرین بتائیں کہ ان کا بادشاہ کون ہے؟

سب نے کہا، عالی جاہ! آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔

اصلی بادشاہ نے ملکہ کو کہا — تم بھی مجھے نہیں پہچانتیں، تمہارے ساتھ میں نے تیس سال گزارے ہیں۔ میں ہی ہوں جس نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے ہفتہ تمہیں ہندوستان کی سیر کو لے جاؤں گا۔

ملکہ کے ماتھے پر بل آ گئے۔اس نے ساتھ بیٹھے نقلی بادشاہ سے پوچھا، ہمارے درمیان ہونے والی

گفتگو یہ شخص کیسے جانتا ہے اور کیا اس کی شکل آپ سے ملنا غیر معمولی بات نہیں؟ تخت پر بیٹھے شخص نے سوال نظر انداز کر دیا اور حکم دیا کہ اس گستاخ کو تہ خانہ میں بند کر دو۔ دماغ درست ہو جائے اس وقت میرے سامنے لانا۔ محافظ اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور وہ شور مچاتا رہ گیا۔ اندھیری کوٹھڑی میں زار و قطار رونے لگا کہ یہ دن دیکھنے سے پہلے مر جاتا تو اچھا تھا، یہ لوگ احسان فراموش ہیں۔

قید میں دن سخت اذیت میں گزرے۔ یہاں آئے اسے چھ ماہ ہو گئے تھے۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو ایک ہی راستہ کھلا نظر آیا—

اللہ کو یاد کیا اور گناہوں کی معافی مانگی۔ غرور و تکبر ختم ہو گیا تھا۔ بیش تر وقت وہ اللہ کے ذکر میں گزارتا۔ دیگر قیدیوں سے اس کا رویہ اچھا ہو گیا تھا۔ قید میں رہ کر یہ بھی احساس ہوا کہ کتنے قیدی بے گناہ تھے لیکن اس کے انتقام اور غرور کی بھینٹ چڑھ گئے۔ قید کو اس نے اپنے غلط کاموں کی سزا سمجھا۔

ایک روز ایک غلام کے دل میں نرمی پیدا ہوئی اور بولا، اے نادان آدمی! کیوں ضد کرتا ہے کہ تو بادشاہ ہے۔ بادشاہ نے کہا، میں خود کو اور کیا کہوں؟ میں ہی بادشاہ ہوں لیکن اس کوٹھڑی میں قید ہو کر احساس ہو گیا ہے کہ بادشاہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ رب العالمین، میں اس کا بندہ ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ غلام نے کہا، تم نے غلط دعویٰ کر کے قید کی مصیبت اپنا لی۔ اگر اپنی بات سے پیچھے ہٹ جاؤ تو ممکن ہے کہ آزاد کر دیئے جاؤ گے۔

یہ غلام بادشاہ کے دور میں اس کے ایک راز سے واقف تھا۔ بادشاہ کو وہ بات یاد آ گئی۔ اس نے اسے قریب کیا اور کان میں سرگوشی کی۔ یہ سن کر غلام ادب سے جھکا اور اور الٹے قدموں جا کر بادشاہ کا

چوغہ لایا جو ایک دفعہ بادشاہ نے انعام میں دیا تھا۔ عالی جاہ ، یہ زیب تن کیجئے اور دربار میں چلئے۔ حقیقت سب کے علم میں آنا ضروری ہے۔

بادشاہ نے شاہی لباس پہنا اور دربار میں داخل ہوا تو یقین دہانی کے لئے پاس کھڑے دربان سے رعب دار لہجہ میں پوچھا، جانتے ہو میں کون ہوں؟

وہ بولا، بادشاہ سلامت کو کون نہیں جانتا لیکن میں نے آپ کو محل سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

بادشاہ سٹپٹایا اور سنبھلتے ہوئے کہا— دھیان سے کام کرو کہ کون اندر باہر آتا جاتا ہے ،آئندہ کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔

دربار میں داخل ہوا تو سب احترام میں کھڑے ہوگئے ۔ بادشاہ کا قریبی محافظ اصلی بادشاہ کو دیکھ کر پریشان ہوگیا کیوں کہ وہ تھوڑی دیر پہلے بہروپیے بادشاہ کو کمرے میں چھوڑ کر آیا تھا۔ فوراً دوڑا اور کمرے میں دیکھا کہ آیا بادشاہ وہاں موجود ہے یا نہیں ۔ وہاں بادشاہ کو موجود پا کر پریشان ہوگیا اور بولا ، بادشاہ سلامت ! کیا ماجرا ہے، آپ تخت پر بھی موجود ہیں اور یہاں بھی؟

نقلی بادشاہ مسکرایا اور بولا— سب نظر کا دھوکا ہے اور دربار کی طرف بڑھ گیا ۔ درباری حیران و پریشان تھے۔ کبھی ایک کو دیکھتے اور کبھی دوسرے کو کہ ان میں اصلی بادشاہ کون ہے۔

اصل بادشاہ بولا ،لوگو! بتاؤ تمہارا بادشاہ کون ہے؟

دربار میں خاموشی چھا گئی ۔ بہروپیے بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا، کیوں انہیں مشکل میں ڈالتے ہو ، میں بتاتا ہوں ، لوگو — تخت پر بیٹھا شخص تم لوگوں کا بادشاہ ہے۔ یہ بھول گیا تھا کہ سب بادشاہوں کا ایک بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں ہم سب کی جان ہے۔ وہ چاہے کسی کو امیر بنادے تو کسی کو غریب، کسی کو سرخ وسفید تو کسی کو سیاہ۔

بادشاہ سے کہا— تم نے غرور کیا ، اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھے ۔ تخت و تاج کا مالک تو صرف اللہ ہے۔ تم افسردہ تھے کہ تمہارے لوگ تمہیں نہیں پہچان سکے۔ کیا تم اپنے مالک کو پہچانتے ہو— ؟ تم نے اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کی ۔ تمہیں سبق سکھانے کے لئے مجھے بھیجا گیا۔ اگر توبہ استغفار نہ کرتے تو یہ تخت کبھی واپس نہ ملتا۔ میرا کام پورا ہوا، اللہ حافظ۔

یہ کہہ کر وہ غائب ہوگیا— اس جگہ صرف شاہی لباس زمین پر پڑا ہوا تھا۔

اللہ دیکھ رہا ہے

پرانے زمانہ کی بات ہے، اس وقت کے لوگوں کے لئے وہ زمانہ نیا تھا۔ایک اسکول میں بچوں کو روحانی تعلیم دی جاتی تھی کہ ہم اللہ سے کیسے مل سکتے ہیں، حضور پاکؐ اور تمام پیغمبروں کی تعلیمات پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں۔ اسکول میں سب بچوں کو بتایا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے انہیں کسی اور کو نہیں، صرف اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہے۔

ماسٹر صاحب صبح سویرے عبادت کرتے اور پھر بچوں کو فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد مراقبہ ہوتا تھا۔ مراقبہ ایسی مشق یا ایکسرسائز کو کہتے ہیں جس سے جسم میں روشنیاں جمع ہوتی ہیں اور سوچنے سمجھنے کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ جس طرح ورزش کرنے سے جسم تن درست رہتا ہے، اسی طرح مراقبہ روح کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ ہم سب کو اپنے اندر دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے اندر ہوں، تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں؟ ایک بچہ نے پوچھا — جب اللہ تعالیٰ ہمارے پاس ہیں تو پھر نظر کیوں نہیں آتے؟

ماسٹر صاحب مسکرائے اور کہا — اس لئے کہ ہم اپنے اندر نہیں دیکھتے۔ میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ ایک دوسرے سے مت لڑو۔ آپ میری موجودگی میں نہیں لڑتے لیکن جب میں نہیں ہوتا تو رپورٹ ملتی ہے کہ بچے آپس میں لڑ پڑے۔ میرے سامنے نہیں لڑتے اور میرے جاتے ہی لڑتے ہو۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں ہے اس لئے دوسروں کو تنگ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں، ان کی مدد نہیں کرتے۔ اگر ہمیں یقین ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو ہم غلط کام نہیں کریں گے اور سب کا خیال رکھیں گے۔

دوسرا بچہ بولا، ماسٹر صاحب! میں اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا، سب سے پہلے یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ تم جہاں ہو، جس حال میں ہو، اللہ تعالیٰ کی نظر تم پر

تو خوش ہو گئے۔ ہنسی خوشی میں سات دن گزر گئے۔

اب واپسی کا وقت تھا۔ سب اداس تھے اور لڑکا بھی لیکن واپس جانا ضروری تھا۔ ماں باپ سے اجازت لی، بہن بھائیوں کو پیار کیا اور رخصت ہوا۔ راستہ میں موسلا دھار بارش ہوئی اور آگے جانا مشکل ہو گیا۔

ساتویں دن ماسٹر صاحب صبح سے انتظار میں تھے کہ شاگرد لوٹے گا لیکن وہ نہیں آیا۔ عصر کے وقت بڑے پتھر پر بیٹھ کر اس راستہ کی طرف دیکھنے لگے جہاں سے طالب علم کو آنا تھا لیکن سورج غروب ہو گیا اور وہ نہیں پہنچا۔ اداس ہو گئے کہ شاید اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔

آٹھویں دن صبح صبح دیکھا کہ شاگرد بیگ کندھے پر لٹکائے دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ ماسٹر صاحب نے اسے گلے لگا لیا۔ شاگرد نے معذرت کی کہ وہ وقت پر گھر سے نکلا تھا لیکن بارش کی وجہ سے سفر طویل ہو گیا، ماسٹر صاحب حیران تھے کہ خواب میں غلط راہ نمائی کبھی نہیں ملتی پھر شاگرد اب تک کیسے زندہ ہے؟

پوچھا، راستہ میں سفر کے دوران جو کچھ ہوا، تفصیل سے بتاؤ۔ ایسا کوئی کام جس سے کسی کی مدد ہوئی ہو یا پھر کچھ اور۔ شاگرد کو یاد آیا کہ اس نے چیونٹیوں کی جان بچائی تھی۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور اس کی کمر تھپکی۔ کہا کہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی ـــــ اللہ کی ہے۔ تم نے چیونٹیوں کی مدد کر کے نہ صرف ان کی بلکہ اپنی زندگی بھی بچائی۔

پیارے بچو! توانائی روشنی ہے اور روشنی زندگی ہے۔ جو بچے نیک کام کرتے ہیں ان کے اندر روشنیاں بڑھ جاتی ہیں۔ وہ کام جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں ان سے روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اور ہم صحت مند رہتے ہیں۔ لیکن ایسے کام جن سے شیطان خوش ہوتا ہے مثلاً علم حاصل نہ کرنا، جھوٹ، لڑنا، چغلی کھانا، بے ایمانی، دوسروں کی مدد نہ کرنا ـــ ان سے روشنی ضائع ہو جاتی ہے۔

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ ہر بندہ اس دنیا میں اپنے ساتھ پانچ ہزار سال کی روشنیوں کا ذخیرہ لے کر آتا ہے لیکن وہ ان روشنیوں کو غیر ضروری کاموں میں استعمال کرتا ہے جس سے روشنیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

بچو! آج کل لوگوں کی عمر ساٹھ ستر سال ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو ہزاروں سال زندہ رہے۔

خواب تعبیر اور مشورہ

حضرت رابعہ بصریؒ

ثمن زاہد، فیصل آباد۔ ایک کتاب تحفہ میں ملی جس کے بیک ٹائٹل پر ''روح'' لکھا ہے۔ کتاب کھولی تو اندر اولیائے کرام کی تصاویر نظر آئیں۔ تین تصویریں یاد رہ گئی ہیں جن میں سے ایک حضرت رابعہ بصریؒ اور باقی دو حضرات کی تھیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کی جوانی کی بہت خوب صورت تصویر تھی۔ میں کہتی ہوں، کتنی کم عمر اور خوب صورت ہیں۔ کتاب کے پہلے مضمون کو کھولتی ہوں تو عنوان کی جگہ کوئی نشان بنا ہے اور مضمون میں تصاویر یا مختلف نشانات/علامات موجود ہیں۔ ایک نشان کو الٹا سیدھا کر کے دیکھتی ہوں کہ کچھ سمجھ میں آجائے کیا ہے۔ مزید صفحات دیکھے تو ان پر بھی تصاویر اور علامات تھیں، تحریر نہیں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ سب کے خالق ہیں۔ آپ نے خواب میں حضرت رابعہ بصریؒ کے ساتھ دو بزرگ اور دیکھے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ ہر بندہ جو کسی پیغمبر کا امتی ہو، اللہ وحدہ لاشریک، انبیائے کرام، آخری پیغمبر حضرت محمدؐ پر ایمان رکھتا ہو اور شریعت پر عمل کرتا ہو وہ روحانی علوم سیکھ لیتا ہے۔ خواب میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کریں۔ آسمانی کتابوں اور آخری کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کے تمام فارمولے بیان کئے ہیں۔ اور جو متقی لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے،

''اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔'' (العنکبوت:۶۹)

آپ نے جو قدم اٹھایا ہے اس میں مستقبل کی خوشیاں نظر نہیں آتیں۔ جو کام کریں اس پر اصرار کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے اوپر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

بزرگ خاتون

ا،م، پھالیہ۔ پتہ چلا کہ ایک بزرگ خاتون مراقبہ ہال میں تشریف فرما ہیں۔ امی سے چادر لے کر ان سے ملاقات کے لئے جاتی ہوں۔ روشن چہرہ بزرگ خاتون سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ بہت پیار سے ملتی ہیں، ماتھا چومتی اور بار بار پیار کرتی ہیں۔ کہتی ہیں بیٹا تمہاری چادر گندی ہے اسے دھو لینا۔ میں سوچتی ہوں کہ چادر گندی لگ رہی تھی مگر جلدی میں پہن آئی۔ پھر وہ بزرگ

خاتون فرماتی ہیں، اب یہاں کلاس ہوگی۔

تعبیر: خواب میں لاشعور نے آپ کو بتایا ہے کہ صفائی کی طرف توجہ کم ہے۔ ایک طرح سے ہدایت ہے کہ آپ صاف ستھرے کپڑے پہنیں، غسل کریں، بالوں میں بطور خاص جوئیں نہ ہوں اور اس کا خیال رکھیں۔ گھر کا حال اچھا نظر نہیں آتا۔ جگہ بے جگہ چیزیں بکھری رہنے سے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ گھر کو صاف ستھرا رکھیں اور پانچ وقت نماز کی پابندی کریں، بصورت دیگر گھر میں بیماری ڈیرا جما سکتی ہے۔

حج یا عمرہ کی سعادت

امیر بانو، کراچی۔ شوہر کا انتقال اس رمضان کی بیس تاریخ کو ہوا۔ وہ خواب میں ائیر پورٹ پر مہندی رنگ کے کپڑوں میں جوان نظر آئے، ان کے بال چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھتی ہوں، کہاں جارہے ہو؟ کہتے ہیں، سعودیہ جارہا ہوں۔ ان کے ایک ہاتھ میں کالے رنگ کا بیگ اور دوسرے ہاتھ میں سفید کپڑا تھا۔ میں کہتی ہوں تمہارے پاس پاسپورٹ اور پیسے نہیں ہیں، کیسے جاؤ گے۔ کہتے ہیں، چلا جاؤں گا۔ میں کہتی ہوں، اداس لگ رہے ہو۔ کہتے ہیں، نہیں میں ٹھیک ہوں۔ پھر وہ باہر چلے جاتے ہیں۔

تعبیر: آدمی جب کسی عمل کا اللہ کے بھروسے پر ارادہ کرلیتا ہے، قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ وسائل فراہم کردیتے ہیں۔ خواب میں بتایا گیا ہے کہ بندہ اللہ سے یقین کے ساتھ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج یا عمرہ کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

ایصال ثواب

درخشاں مریم بابر۔ کسی کشادہ بستی میں مکانات دور دور بنے ہیں۔ لمبائی کے رخ میں کافی ساری چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ میں نیچے اتر رہی ہوں کہ حضرت قلندر بابا اولیاؒ کا دیدار ہوتا ہے۔ میرے مرحوم والد ان کے پیچھے خاموشی سے کھڑے ہیں۔ میں قلندر باباؒ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتی ہوں۔ بابا صاحبؒ کے ہاتھ میں عصا ہے اور سرخ و سفید ہاتھ میں مختلف رنگ کے نگینوں کی انگوٹھیاں ہیں۔ حضرت قلندر بابا اولیاؒ مجھے آنے کا اشارہ کرکے مڑ جاتے ہیں۔ عرض کرتی ہوں کہ مجھے آپ کو کچھ دکھانا ہے وہ لے کر آتی ہوں۔ یہ کہتے ہی دوڑتی ہوئی گھر آتی ہوں۔ پرانے گھر کے ایک کمرے میں کاپیاں ڈھونڈ رہی ہوں لیکن کاپیاں نہیں ملتیں۔ بلند آواز سے یاحیی یاقیوم کا ورد کرتی ہوں اور کہتی ہوں، یہاں کوئی آسیب نہیں اور اگر تھا بھی تو میں ڈروں گی نہیں۔ واپسی میں اونچے نیچے راستوں کی پروا کئے بغیر حضرت قلندر باباؒ سے ملنے کی دھن میں بھاگتی ہوں۔ بابا صاحبؒ ایک کمرے میں آرام فرما رہے ہیں۔ وہاں موجود لوگ خوش ہیں اور میں اس لئے خوش ہوں کہ یہ میرا پرانا گھر ہے۔

تعبیر: خدانخواستہ کوئی مسئلہ پیش آیا ہے، درپیش ہے یا ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ صدقہ کریں اور اپنے والد صاحب کو سونے سے پہلے

پابندی کے ساتھ الحمد شریف اور چاروں قل پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔ باقی خواب ادھر ادھر کے خیالات ہیں۔

ا،ع، امریکہ۔ تعبیر: جو کچھ ہو رہا ہے وہ پہلے سے ریکارڈ ہے لیکن اچھائی اور برائی کا کیوں کہ اختیار دیا گیا ہے اس لئے جو کچھ ہو چکا ہے اس کی فلم بن گئی ہے البتہ اس فلم کے کرداروں میں اچھے کردار یا برے اعمال کا بندہ کو اختیار دیا گیا ہے۔

دنیا میں بلوغت کے بعد فرد جو کچھ کرتا ہے اچھائی یا برائی دونوں ریکارڈ ہو رہی ہیں اور اس پر دو فرشتوں کی ڈیوٹی ہے۔ بندہ برائی کرتا ہے تو برائی لکھنے والا فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے یعنی ویڈیو فلم بنالیتا ہے۔ نیکی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ، پیغمبروں اور آخری پیغمبر حضرت محمدؐ کے احکامات پر عمل کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ بھلا کرتا ہے، گناہ ہو جائے تو معافی مانگتا ہے، ارکان اسلام پورے کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے۔ برائی اگر سرزد ہو گئی یا کر لی گئی تو اس کی فلم بن جاتی ہے اسی طرح اچھے اعمال کی اچھی فلم بن جاتی ہے۔ ایک آدمی (عورت، مرد دونوں) نے برائی کی، اس کی بھی ویڈیو فلم بن گئی۔ مرنے کے بعد اعراف (مرنے کے بعد کی دنیا) میں، دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی ویڈیو فلم دکھائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک فرد نے چوری کی۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، اب چور اس فلم کو اس طرح دیکھے گا کہ اس نے چوری کی، پکڑا گیا (دنیا میں چاہے پکڑا جائے یا نہ پکڑا جائے)۔ عمر کے جس حصہ میں اس نے چوری کی ہے جب فلم میں وہ حصہ ڈسپلے ہوگا تو وہ چور بندہ یہ دیکھے گا کہ اس پر مقدمہ چلا اور چوری کا جرم ثابت ہونے پر ہاتھ کاٹ دیا گیا مگر وہ اس کو خواب نہیں کہے گا۔ سارے اعمال عملی ہوں گے روئے گا، چلائے گا، سین بدل جائے گا۔ اسی طرح اچھائی کی فلم ہے کہ اچھے اعمال اس کی اعراف کی زندگی میں شامل ہو جائیں گے، ان کی فلم بھی دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کیا سمجھے آرام دہ، پرمسرت، مطمئن زندگی کیا ہے، ایک لکھی ہوئی کتاب ہے اور تکلیف دہ زندگی، بے سکونی، رنج والم، محرومی، اداسی، خوف کیا ہے، ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ برے کام کرنے کا افسوس اور اچھے کام کرنے کا پرمسرت ماحول، دونوں کی تصویریں آدمی دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

قارئین! آپ نے سنیما میں فلم دیکھی ہوگی، کوئی دردناک اور تکلیف دہ سین اسکرین پر نمایاں ہوتا ہے تو ناظرین یعنی فلم دیکھنے والے خواتین و حضرات غم و پریشانی سے رونے لگتے ہیں اور اگر اسکرین پر ہنستا کھیلتا کردار نظر آتا ہے تو ہنستے ہیں اور اتنا ہنستے ہیں کہ ہنستے ہنستے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیتے ہیں۔ قارئین! جن خواتین و حضرات نے یہ مضمون پڑھا ہے وہ تنہائی میں قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھیں، جب خوش ہوں ایک مرتبہ، جب پریشان ہوں ایک مرتبہ۔ دونوں مناظر کو کاغذ پر لکھیں۔ آپ ادارہ ''ماہنامہ

قلندر شعور'' کو بتائیں کہ خوش چہرہ کے تاثرات کیا ہیں اور غمگین چہرہ کے تاثرات کیا ہیں۔خواب کی تعبیر کا حوالہ ضرور دیں۔آپ کے خوشی اور غم دونوں پر لکھے ہوئے خطوط ہم انشاءاللہ رسالہ میں شائع کریں گے۔

جب ذہن میں یقین کی دنیا پر بے یقینی کا ہلکا یا دبیز پردہ آجاتا ہے تو الجھے ہوئے اور پریشان کن خواب نظر آتے ہیں۔آپ خوش رہیں، اللہ تعالیٰ کے اوپر بھروسا رکھیں۔میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔آپ اپنا کردار اچھا بنائیں، سنگھار کریں، شوہر گھر میں آئیں، ان کا ادب و احترام اور پیار سے استقبال کریں۔دفتر جائیں تو انہیں محبت و پیار اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں، انشاءاللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

نماز میں اللہ سے تعلق

اب ج، سرجانی۔شروع کا خواب یاد نہیں رہا بس اتنا یاد ہے کہ کچھ معاملہ تھا جس کے لئے کوئی کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔میں ایک کشادہ مسجد میں موجود ہوں جس کے دروازہ اور کھڑکیوں کا ڈیزائن الگ تھا۔لوگوں کا لباس بھی مختلف تھا، گہرے سرمئی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے جیسے ان میں ہوا بھری ہو، پہنے ہوئے تھے۔کچھ دیر مسجد کے ہال میں کھڑا رہا کہ خیال آیا، حضورؐ پردہ فرما چکے ہیں۔اتنے میں ایک صاحب آکر کہتے ہیں، آیئے۔ان کے ساتھ محراب تک آتا ہوں اور نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کہتا ہوں، حضورؐ ــــ غلام حاضر ہے۔

تعبیر: فی زمانہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم پوری نماز ادا کر لیتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ نماز میں پڑھا کیا ہے اس لئے کہ ترجمہ یاد نہیں ہے۔ترجمہ یاد نہ ہونے سے ذہنی یک سوئی نہیں ہوتی، دماغ میں الٹے سیدھے خیالات کا ہجوم رہتا ہے۔

ذرا غور کیجئے! جس طرح ہم نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس میں خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کیا اس طرح کوئی ملازم اپنے دفتر میں ملازم رہ سکتا ہے ــــ؟ ہماری مائیں بہنیں روز کھانا پکاتی ہیں لیکن جب کھانا پکانے میں یک سوئی نہیں رہتی تو کھانا جل جاتا ہے، کبھی نمک تیز ہوجاتا ہے تو کبھی مرچیں اتنی تیز ہوجاتی ہیں کہ کھانے والوں کے منہ سے سی سی نکلتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کام ذہنی یک سوئی کے ساتھ نہ ہو اس کا مثبت نتیجہ نہیں نکلتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جن کو اپنی نمازوں میں خیالات کی یلغار کی وجہ سے یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کیا پڑھا ہے۔

جس مسلمان بھائی سے بات کریں، 99% مسلمان بھائی کہتے ہیں کہ ترجمہ ہمیں کسی نے پڑھایا ہی نہیں۔کیا زبان کا ترجمہ نہ آئے تو اس بندہ کو متعلقہ زبان نہ آنے سے ملازمت مل سکتی ہے؟ جب نمازی کو یہ بات معلوم ہی نہ ہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور کیا عرض معروض پیش کیا ہے تو کیا اس کا عمل پورا ہوگیا۔اس سلسلہ میں بہترین عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے والدین کی

شفقت اور استاد کی محبت وعنایت سے اگر چھوٹی چھوٹی دس سورتوں کا ترجمہ یاد کرلیا جائے اور نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ ترجمہ پر ذہن لگایا جائے تو انشاء اللہ بندہ کا نماز میں اللہ سے تعلق قائم ہوجاتا ہے۔

نماز میں خیالات کی یلغار

عطا محمد۔ میں نے اپنے آپ کو خانہ کعبہ میں دیکھا، نماز کی نیت کرنے والا ہوں کہ ایک شخص پوچھتا ہے تمہارے پاس کتاب ہے؟ میں کہتا ہوں، نہیں۔ ایک اور شخص آکر کہتا ہے تم چلے جاؤ۔

تعبیر: آپ نے جو خواب دیکھا ہے اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان پر آپ کا عمل نہیں ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں، کلمۂ توحید، نماز، روزہ، استطاعت ہو تو زکوٰۃ اور حج۔ خانہ کعبہ میں آپ سے یہ کہنا کہ چلے جاؤ دوبارہ آنا، اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ارکان پر خلوص دل سے عمل کریں۔ کلمۂ طیبہ اور درود شریف پڑھنا، نماز کی پابندی کرنا اور شریعت نے جتنے اعمال کو منع کیا ہے ان کو نہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کرنا ضروری ہے۔ آپ کو منفی خیالات آئیں تو کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم اور یاحیی یاقیوم کا ورد کریں۔

ہر خواہش پر دم نکلے

محمد مدثر، لاہور۔ ایک میدان میں اونچی چمک دار

ماہنامہ قلندر شعور ستمبر 2017

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

گھاس لہرا رہی ہے۔ میں ایک گیند میں موجود ہوں جو تیزی سے زمین کی طرف اونچائی سے آتی ہے اور زمین کے اندر چلی جاتی ہے۔ پھر جھٹکے سے اوپر اٹھتی ہے تو فوارہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں سے نیلے اور سنہرے رنگ کی روشنیوں کے گولے دائروں میں آسمان پر پھیل جاتے ہیں۔ آسمان کی سیاہی میں نیلے چمک دار گولے عجیب بہار دکھا رہے ہوتے ہیں۔ پھر دیکھا آسمان پر تیر کا نشان بنا ہوا ہے جس کے دو منہ ہیں جو زمین کو چھو رہے ہیں۔ تیر کے منہ میں سے جامنی اور چمک دار نیلے رنگ کے عکس نظر آ رہے ہیں۔

تعبیر: آپ کی بہت سی دنیاوی خواہشات میں ایک خواہش گھر گرہستی کی تھی اور گھر کی آسائش و زینت کے پروگرام ذہن میں آتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوئی دیرینہ خواہش پوری فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ آپ کا خواب دنیاوی آسائش و آرام، اپنا گھر اور آسائش کے حالات کے اردگرد گھوم رہا ہے۔ آپ کو مبارک ہو، آپ کے خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھئے جب آدمی کا بھروسا اللہ تعالیٰ کے اوپر پُر یقین ہوتا ہے تو قدرت وسائل فراہم کر دیتی ہے۔ خواب میں آپ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ سادگی سے زندگی گزارنا سکون و عافیت کی راہیں کھولتا ہے، اتنی خواہشیں نہ کریں کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔

شوہر یا بیوی کا غصہ ختم کرنے کے لئے

بیوی شوہر کی نسبت زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے، اس کے اندر محبت کا تلاطم خیز سمندر ہے جس کی بنا پر نسل انسانی کی بقا اور نشو و نما جاری ہے۔ اگر بیوی کا احترام کیا جائے اور شوہر کی طرف سے اسے ذہنی سکون میسر آ جائے تو معاشرہ کی زیادہ تر برائیاں ختم ہو جائیں گی جس کا اثر براہ راست آنے والی نسلوں پر پڑے گا۔ شوہر کے ناروا سلوک سے نجات پانے کے لئے عشا کی نماز کے بعد بیوی اول آخر درود شریف کے ساتھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الْوَاسِعُ جَلَّ جَلَالُہ

مصلے پر بیٹھ کر ایک تسبیح پڑھے اور دعا کرے۔

اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ شوہر طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے یا بیوی کو علیحدہ کرنے کی ضد پیدا ہو جائے یا بیوی کو گھر سے نکال دے اور انتقاماً اسے گھر نہ بلائے تو بیوی کو چاہئے کہ رات کو سونے سے پہلے باوضو مصلے پر بیٹھ کر اکتالیس بار سورۃ الاخلاص پوری پڑھ کر بات کئے بغیر بستر لیٹ جائے اور آنکھیں بند کر کے اپنے شوہر کا تصور کرتے کرتے سو جائے۔ اسی طرح بیوی کا غصہ زیادہ ہو تو شوہر یہ عمل کرے۔ عمل کی مدت نوے دن ہے۔ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کریں۔

AUSTRALIAN CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER

HOPE FOR INFERTILE COUPLES

Established Since 1998

11 CONSUMERS CHOICE AWARD 2016
Pearl Conversing Hotel Karachi

IAF

THE LEADING IVF INSTITUTE OF PAKISTAN

the most **Precious** gift life has to **offer**

- پاکستان کا 1st ISO 9001:2015 سرٹیفائڈ IVF سینٹر، سب سے بڑے برانچ نیٹ ورک کے ساتھ
- IVF خدمات میں 18 سال کا تجربہ اور کامیاب کیسز کی شرح میں مسلسل اضافہ
- PGD (پری امپلانٹیشن جینیٹک ڈائیگنوسز) برائے فیملی بیلنسنگ دستیاب ہے
- پاکستان کا پہلا کامیاب FET (فروزن ایمبریو ٹرانسفر) پروسیجر
- ورلڈ ریکارڈ، میل ان فرٹیلیٹی کا 29 سال بعد کامیاب علاج
- ورلڈ کلاس IVF لیب Primo Vision ™Time-Lapse Embryo Monitoring System کے ساتھ
- ایک ہی چھت کے نیچے مکمل IVF علاج
- Australian Scientists کی جانب سے غیر جانب دار طور پر کوالٹی کی ضمانت

PGD
(پری امپلانٹیشن جینیٹک ڈائیگنوسز)
برائے فیملی بیلنسنگ دستیاب ہے

3 time Winner of Consumers Choice Award for **"Best Infertility Medical Centre"** in Pakistan

We constantly strive to achieve better results. We make no compromises when it comes our patients' health and desires.

GET A FREE Consultation

Dr. Syed Sajjad Hussain

KARACHI 32-A, Block-5, Rojhan Street, Near Bilawal Chowrangi, Kehkashan, Clifton, Karachi.

LAHORE 116-A, Babar Block, Garden Town, Model Town Link Road, Lahore

ISLAMABAD 3rd Floor, Aklas Plaza, G/10 Main Markaz, Behind Babri Masjid, Sawan Road, Islamabad

HYDERABAD | LARKANA | SUKKUR | QUETTA | FAISALABAD | GUJRANWALA | MULTAN

UAN: 0304-111-2229 (BABY)

facebook.com/australianconcept web: www.acimc.org | email: info@acimc.org

Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

Khawaja Shamsuddin Azeemi

~ Like us on Facebook ~

English translations of Mr. Azeemi's work available.

https://www.facebook.com/BlueroomCanada

doing this I want to find the inspiration to increase my devotion and therefore worship the Lord with more enthusiasm than ever before."

The peacock replied, "Then whatever task you think worthy for me, please say, I am prepared to carry it out."

I asked the peacock, "Then please take me inside with you, when the people inside see me with you, then they will not have any objection."

Upon hearing this response the peacock explained,"O my stranger friend, I do not possess the power to be able to take anyone inside. However I do have a friend who will be able to give you a tour of paradise."

Without hesitation I stated, "Then call him out here, it may well be that he already knows me, and even by chance he does not, then you can explain to him that I am a private servant angel who wants to tour paradise in order to increase the magnitude of his devotion and worship. He will indeed listen to you."

The peacock carefully listened to what I said and went inside paradise. After a short while he brought his friend outside. The name of his friend was Hayya, who today in the Urdu language is called *Sanmp*, in English is called Snake and in Hindi is called the Naag god. Upon seeing me Hayya started to interrogate me by asking question after question, and so did too my new sympathiser friend the peacock. In the end Hayya was convinced by my explanation and replied,"Come and sit in my mouth so I can take you on a tour of paradise".

Very calmly I sat inside his radiant mouth; it was similar in manner how about 50 years earlier the wealthy and the privileged used to travel in a chariot.

Hayya was extremely beautiful and in that time he had four feet. His body radiated luminous Noor and its waves spread to far distances. Hayya put me in his mouth and set off.

On the way my old friend Mr Rizwan became suspicious and decided to stop Hayya. Immediately the instruction came from the Divine Court of the Almighty Creator, "O Rizwan, let Hayya go inside paradise, it is not appropriate for you to stop him. This is a secret plot which We are well aware of.

Continue…

Change your self
the world will change itself

"The world is like a mountain. You echo depends on you. If you scream good things, the world will give it back. If you scream bad things, the world will give it back. Even if someone says badly about you, speak well about him. Change your heart to change the world."

-Hazrat Shams Tabriz (RA)

V

tion. Upon reaching the entry gate of paradise I was unable to obtain the signature of the approving officer Mr Rizwan. I was forced to wait outside in the hope that an individual may come out and upon whom the magic of my convincing words could have affect.

Some of the worldly authors have suggested that I waited outside the gates of paradise for a period of three thousand years, however I am unable to verify this claim because due to my unsettled inner feelings I was unable to keep track of any time. But I do remember that the period of waiting was very long and painful.

One day my bad luck turned towards success when I bumped in to a peacock. When I saw the peacock waiting outside the gates of paradise I approached him and said, "Oh my dear friend, I have not seen you for a very long time. I was thinking about coming inside and enquiring as to why our friendship had drifted apart and as to why you have not spoken to me or come to see me for such a long time. But thankfully you have come as I wanted to ask you for a favour. Can I be assured that you will fulfil my request?"

The peacock was completely taken by surprise and asked me as to who I was as he did not recognise me.

Without any hesitation I replied, "Good gosh, you have forgotten me so quickly. You must have seen me on many occasions, I am a very dear angel of the Almighty God, I remain busy in His worship and devotion both in the night and the day. For this reason I have not had an opportunity to come here for quite some time now. Today I had the desire that I take a walk in paradise and so set off. Upon reaching here I have been very astonished that the workers of paradise appear to be very unfriendly and inhospitable. They are preventing a high ranking angel such as me from entering into paradise. However my friend, by taking in to account your hospitality, your beauty and your good manner I could never had guessed that you too would turn out to be like these bad mannered workers and look at me through the eyes of a complete stranger too".

Upon hearing this, the peacock replied,"No I am not like that. What harm would it do if you went for a walk in paradise? I think these people are preventing you from entering in to paradise because they do not recognize you. But tell me what do you want to do in paradise? Those activities that you conduct and participate in within the Grand Court of the Almighty Lord, the same activities these people conduct in paradise. You worship over there and these people are busy in their worship over here, and that is all".

To the peacock I replied,"You are correct, but my main desire for wanting to visit paradise is that I want to familiarise myself with all the modes and manners of worship of all the individuals in paradise. By

face death until the day the very last individuals are raised again from their graves.

I was informed that I would not have to face death until the time that I had proposed.

Second Request

I asked that I be granted the power to make any individual of the earth to go astray. I was instructed that this request has been granted.

"You will be able to make those go astray who possess the desire of falling in to your trap. And for such individuals I have ordered the preparation of hell fire".

Third Request

I wish to have a very large number of offspring so that I can succeed in my mission and I am able to carry out my work in complete confidence. This wish was granted too.

Fourth request

My fourth request was that I should be able to change my form and appearance as and how I pleased. I was told:

"You may change your appearance and form to that you may wish, however you cannot change your features to those of my dearest person whom I will create in the last era of time"

By giving up all the luxuries of the world I only had these four wishes approved. However I know that if I use these four favours in the proper manner then I can live a life better than ever before. And because Adam ultimately was the cause of my downfall, destruction, dishonour and worries, the fury for revenge against him was burning intensely in my chest. This caused me to lose control of my heart and my mind as they were no longer in my control due to the sheer desire for revenge. I spent every moment thinking as to how I can take my revenge on Adam, for he is in paradise and I am not permitted to enter in it anymore. If he were to come face to face with me then in that very instance he would learn that my name was not Azazel anymore, but on the contrary it was now Iblees!

In Search of the Moment

I knew that it was not going to be easy for me to get an advantage over Adam and nor was I going to be able to overpower him. So I waited in patience in search of the perfect opportunity. During this painful and agonising period of my life I had to shed tears of blood. But I did not give up hope and will. I kept on pondering on my different plans and strategies for my revenge.

One day I devised a plan in my mind and changed my form and appearance to that of an angel and went up to the gate of paradise, but someone prevented me from entering in to it. Although no one recognised who I was, my plan failed. I went in the form of an angel and told the authorizing officers that I am a private servant angel and that I fancied a walk in paradise and so this was the reason that I had set of in its direc-

and with it the era changed. Those people who were once loyal and obedient to me turned away from me as they had never met me before or ever had anything to do with me in the past, what parrot like behaviour! On the face of it the love for someone is a strange phenomenon, the arch angel Gabriel who once made claims to be my friend and have love for me won't even talk to me in a right manner. Oh Brother Gabriel, if you broke friendship with me just to show the Lord and to please Him, then the least you could have done was to meet me in secret. Lord forbid, from that moment when Gabriel left and to this day I have not had the opportunity to say hello and greet him.

The same is true for brother Azrael. In the beginning when I used to govern the earth we used to meet each other frequently and he used to greet me as if there could be no bigger sympathizer towards me in the entire universe. In every sentence of the conversation with me he used the words 'yes sir' and 'your highness' to address me. He showed such respect and honour for me that I don't think an individual can show this level of affection for his or her own father. But when he witnessed these events the blood of disapproval began to circulate in his jugular vein and he became such a stranger to me as if he was not familiar with me at all. Brothers Raphael and Azrael also turned out to be disloyal to me in the same manner, even though there was once a time when both of them were very affectionate towards me.

Four Wishes after I was Rejected and Expelled

When I realised that forgiveness from my Lord for my despicable conduct was not going to be forthcoming and it was not possible for me to regain my former rank and glory, I sent the following request to the court of the Almighty Lord,

"O Lord I have spent a thousand years in your worship and devotion. On earth You granted me the most magnificence. I acted in conformity to Your teachings and I did not let any misunderstanding come between my devotion and worship for You.

You made this promise to me that without doubt You will give a reward in return for the worship and good deeds. And so I would like You to announce Your decision about my afterlife to me today. If I have lived a pious life and have acted in accordance to Your Divine Laws and have carried out deeds that pleased You, then I would like You to recompense me for my good deeds on earth rather than the hereafter"

The reply came from the court of the Most Merciful,

"Ask from me, what is it that you would like?"

I asked the Lord to grant me the four following requests:

First request

I requested that my first wish was that I be given leave and not

was the new name I was given), why did you not prostrate when I Commanded you to do so?"

I responded, "O One who gives honour and respect. Why should I think of myself worthy of prostrating to Adam? You have created me from Nar and he has been created from clay.''

As soon as I uttered these words I saw that my face and body began to change. Upon hearing my response the Lord Creator stripped me of my special robe of distinction, and in its place He replaced it with a robe of shame and disgrace. All the special bounties and the divine favours were taken from me. The special friendship and my place in the court of the Lord were taken away from me too. That immense beauty which was more dominant than all the angels and had been granted to me had now vanished. My appearance became so frightful that only my soul knows of its extent.

The angels upon witnessing my horrific state once again submitted in prostration for the Lord to show Mercy upon them. The reason why today the Muslims prostrate twice during prayer is in remembrance of this second prostration which the angels carried out.

Have you seen this human? On one hand he says bad things about me and shouts many kinds of abuses at me, and yet on the other hand he learns lessons from the actions of my student angels. You yourself make the judgement that the individual who accepts my student as his teacher, what relationship would he have had with me? And furthermore what should he have thought of me? But what does he actually think of me? However I have no complaints with him, when the Lord Himself trampled upon me then why should I complain to His people? People only follow what they see. If today the Lord had been content with me then this very human would surely have been worthless.

The First Punishment

For this rebellious and disobedient act, the first present that I received from the Lord was in the form of imprisonment which was in complete solitude. The duration of this imprisonment was a period of one hundred years. The place in which I was locked up in was very tight and painful and I almost lost the will to live.

However somehow I managed to serve my appointed sentence. When I was released from the dark cramped cell my appearance had greatly deteriorated. The first individuals to greet me were my dear friends Gabriel, Michael, Raphael, and Azrael who passed the resolution of curse upon me. After this the angels of the seven heavens too added to their curses upon me and vowed to abide by the command from the Lord which was for them to refrain from ever having any contact with me again.

It does not take long for a situation to turn in to the opposite direction. I managed to turn one eye

Autobiography of the Devil (Iblees)

I requested that my first wish was that I be given leave and not face death until the day the very last individuals are raised again from their graves. I was informed that I would not have to face death until the time that I had proposed.

The Lord heard their plea and then replied, "Regarding this matter I know that which you do not know."

The angels acknowledged this and in a tone of humility they all responded, "O Lord, You are the most Pure and Sublime, the knowledge you have granted to us, we do not know more than that. You are the All Knowing and the Most Powerful" After saying this, the angels submitted in prostration to be pardoned for their mistake.

From the Throne of the Lord , the following communication came to the angels in reply to the question which they had raised earlier, "O angels, you gave deep thought and consideration to the mischief and the bloodshed that he may commit but you never gave a thought for a moment towards any of his good deeds. You gained an idea of his sins, but you forgot about My Attribute of Mercy. After being able to perceive his bloodshed you should have also considered his shedding of tears too. You reflected upon your own innocence but you were unable to perceive that love in him that he will have for Me. In fact you are only able to see your friendship with me, but the friendship that I will have for him is beyond your dreams and imagination."

When the soul had been put in the clay figure of Adam then all the individuals that had gathered were ordered to prostrate to Adam because God said, he is My deputy. The first angel to prostrate was Gabriel, after him it was Michael. Then Raphael submitted in prostration, and after him Azrael acted upon the Command ordained by the Lord. Immediately after this all the angels of the heavens prostrated to Adam. This state of prostration remained for a period of one hundred years, and exactly after one hundred years the angels raised their heads.

I had not prostrated and so remained in silence. Gave a good long thought to this point, that by creating the figure of Adam from clay, I am ordered to submit in prostration to it! How is the status of fire and clay equal? Adam should have been ordered to prostrate in front of this great creature (referring to himself), instead I am the one who is disgraced. Who in the right mind can say that clay has superiority over fire? However only the Lord Himself knows what came over Him at this time and made me a laughing stock and dishonoured me in front of the whole of His creation.

I was asked, "Why Iblees! (Iblees

there are light forms, which can show consistent information as compared to ambient light. Huzoor Qalandar Baba Auliya narrated in his book Loh-o-Qalam: "Nasma (a finer form of light) is a hidden light which reveals the Noor. Noor is a form of light which not only lights itself, but also other hidden light forms."

According to spiritual scientists, all beings in the universe are an outcome of well proportionated hidden light rays in a pre-defined order. These proportions are mentioned in book Loh-o-Qalam, as follows: "Each imprint of any being in universe is from different species of light. An individual specie is an outcome of well proportionated composition, which are transformed into colors. A specific pattern of colors always forms a definite creature. The dynamics of color is definite."

The chemistry of colors is indicated in divine books as follows:

"And He subjugated to you whatever He created for you on the earth having varied colors. Surely, in that, there is a sign for a people who accept advice." (Quran, 16:13)

Similar mechanism is revealed at another instance in Quran as follows:"From their bellies comes out a drink of various colors in which there is cure for people. Surely, in that there is a sign for a people who ponder." (Quran, 16:69)

Divine books enlightened the equation of creation, so is Quran. Various cogent and thought provoking verses are mentioned in Quran, such as one reflected on the title page of June 2014 issue of 'Monthly Qalandar Shaoor' magazine. Let's consider each and every word in verse individually. 'whatever He created for you on the earth having varied colors'—it means that all beings whether living or non-living exhibit colors. What is the nature and source of these colors? We don't know. '… Created for you'—that is for the seekers of truth, unlike animal being or plant kingdom. Any other viewpoint for similar colorful beings would be different in nature, type or sensitivity. It may be worth to mention, the diversity in colors is due to different proportion of their composition in creation of beings. God indicated this fact in following verses:

"Pronounce the purity of the name of your most exalted Lord, who created everything, then made it well, and who determined a measure for everything, then guided it." (Quran, 87:1-3)

All beings are created in well regulated proportion. Any change in proportion would change the nature of an object. Their very existence is in conformance to the sensory faculties of human kind. The laws of nature revealed upon people who are intrigued by them. Readers are encouraged to contemplate on these verses, whether interpret the meaning or not, write to us.

Continue...

The Death and Birth of Oceans

Sun light is a reflection of earth illumination. Sun is like a dark object, which is lit by the rays of light beyond the recording range or specifications of material instrumentation.

Observation depends on thought pattern. Observations are polarized with a pre occupational thoughts. Transparent thoughts lead to true observations. In fact all occupations are an outcome of that particular thought pattern which is developed successively over the years of education in schools also during their practices. A doctor spends his most life in studying at medical college or universities or practicing at some hospitals. Same is true for other professions such as astronomers, physicists, chemists, engineers, business men, to name a few. Thought pattern is reflected in all walks of an individual life for example living habits, engagements etc.

Thoughts and actions of people holding Qalandar conscious are imbued with Qalandar patterns i.e., to think neutral way. Divine books reveal this pattern in following words:

"We dye ourselves with the colouring of God! For who is better in colouring than God? We are to worship none but Him." (Quran, 2:138)

One, imbued with tone of God, sees with God's vision, hear with God's listening. He receives and interprets with the wisdom of God. He eventually becomes aware of the truth. If intellectuals consider nature behind the phenomenal world, then a natural or neutral thought pattern can lead to reception and interpretation of information in an unbiased way. Neutral thinking is a neutral, unpolarized way of thought pattern. The truth is beyond the percept of ifs and buts. It is free from any dubious pattern. What is the truth—a serial information. The moment continuity of information ceases to flow, life ceases to exist. It is a moment of death. According to divine books, laws of nature are never changed or updated. All the inhabitants in nature follow these laws.

Ambient light illuminate the target object for observation and interpretation. Three aspects are depicted in Figure 15. Observations are not merely an outcome of vision, but all the faculties of sensation. Observer, target object, sight, and observations are key characters in any natural phenomenon and their interpretation. Three sources of illumination are depicted in Figure 15 (A, B, C), they are called light, *Noor* (a finer form of light), and *Tajalli* (a finest form of light) respectively. To acquire a true observation it is important to identify the source of illumination, used to light the target object.

Following examples reveal various sources of illumination

V In short, humans are a space, and there is a soul within that space. The soul is a command of the Lord, and a command of the Lord is such that whenever He plans for something to happen, He need only say "Be".

The honourable messenger, Prophet Moses (PBUH), was a receiver of the book and a close friend of God. He is *Kaleemullah* (one who speaks to God). He knew the formulas of creation.

Messengers of God have access to the *Rooh-e-Azam* (Great Soul) and they can observe the splendour of divine lights there. From these observations, their bodies also turn into *Noor-Ala-Noor* (divine light above divine light). With God's order, when Prophet Moses (PBUH) decided what to do, the divine lights of *nasma mutlaq*, stored themselves in *nasma murakkab* after being transferred through *nasma mufrad.*

An example of *nasma* (storage centre in the soul for divine lights) is that of a light bulb. There is a room with a 60 watt light bulb. If the bulb is replaced with a 600 watt light bulb and then with a 1000 watt light bulb, the room will be so flooded with light that it will be impossible to look at the light bulb itself. One does not have to change the wire, switch or holder to replace a light bulb to one of a higher wattage.

Our present time is considered to be the peak of human development. Our research on matter and our inventions are the basis of conscious development. But where were these inventions before they were invented? If we assume that the invention did not exist before actually coming into being, then where exactly did the thought to research in that particular field come from? A thought is in fact the formula for research and inventions. A plant does not grow without its seed, and in the same way, no action can be performed without thought. Just like a tree is contained within a seed, all research and inventions are recorded in thought.

The current that flowed in Prophet Moses' (PBUH) hands when he removed them from his armpits increased many thousands fold, similar to the thousand watt light bulb in example. Blood flow stops on joints and then after a pause it resumes its flow; hence the flow of energy is greater in the joints. When Prophet Moses (PBUH) held his hand in his armpit, the flow of energy from there was transferred into his palm, which shone like the sun.

iv God blessed Prophet Moses (PBUH) with two miracles. One was a staff, and the other a shining hand. On the order of God's messenger, the staff had the quality of being able to change shape. On God's command, Prophet Moses (PBUH) placed his staff on the ground against the hissing snakes that slithered all over the Pharaoh's court. All of a sudden, the staff turned into a huge python that swallowed the snakes with a lightning fast tongue. How did it swallow them?

Our world is a world of elements. Four of the elements are very important. It is commendable that more than 150 elements have been identified so far, but they are only refinements of the four elements – water, air, fire and earth. There are elements present in both– a snake and a staff – there are elements that are common in both– wood and a snake.

When Prophet Moses (PBUH) placed his staff on the ground, under his will, the elements in the wood and the snake began to shift and became a python. This same law was used in the formation of a path across the river after Prophet Moses (PBUH) struck it with his staff. Water is a compound of oxygen and hydrogen. Trees do not grow without water. No matter how dry the wood is, there is always some water present within it. With the help of God, when Prophet Moses (PBUH) struck the river, the oxygen and hydrogen evaporated in the air.

Once the children of Israel crossed the river, the water returned back to its empty space. But how did the water evaporate in the air? It did so because the element of fire became dominant in the wooden staff. Just like when water in a container evaporates if hot iron is dipped into it, so too did the river. People who doubt nature may question how Prophet Moses' (PBUH) will was so powerful that 12 paths were formed across the river. The Quran gives guidance on this:

"who made well whatever He created, and started the creation of man from clay. Then He made his progeny from a drop of semen, from despised water. Then He gave him a proportioned shape, and breathed into him of His spirit." (Quran, 32:7-9)

When speaking of the soul, the Quran says:

"And they ask you about the soul. Say, the soul is something from the command of my Lord, and you are not given from the knowledge but a little." (Quran, 17:85)

The formula is further explained:

"His practice, when He intends to do something, is no more than He says: Be, and it comes to be." (Quran, 36:82)

iii Our present time is considered to be the peak of human development. Our research on matter and our inventions are the basis of conscious development. But where were these inventions before they were invented? If we assume that the invention did not exist before actually coming into being, then where exactly did the thought to research in that particular field come from?

A thought is in fact the formula for research and inventions. A plant does not grow without its seed, and in the same way, no action can be performed without thought. Just like a tree is contained within a seed, all research and inventions are recorded in thought.

We call the seed a dot of the tree's knowledge. In the same way, we call thought the light of knowledge of the manifestation. Our minds and the minds of every other being absorb the light of knowledge, and these lights appear in the mind as thoughts. When a thought reaches its practical boundaries, the details of the thought are shown within the circle of senses and the eyes. After being exposed to the senses, the light of knowledge is once again saved in the depths of consciousness as a record. Whenever one wants, they can bring forth this stored record from the depths of their consciousness (memory) to the surface. Every mind emits and absorbs waves – this is true for the life of all beings.

Humans have the ability to receive waves from the unseen. These waves trigger research or a thought. All scientific knowledge and research is definitely stored somewhere, and that place is the realm of light. If one enters into this light, they learn the reality of knowledge and can devise new inventions.

It requires a considerable amount of time to learn and know this knowledge as the conscious mind is trained in fictional or illusionary senses. We refuse to agree to a point if we are not able to understand something. On the other hand, spiritual people keep the understanding that the universe is simply being displayed. When spiritual knowledge displays itself in the physical world, the worldly senses become aware of this.

There is a plan that runs within manifestations according to the theory of senses. The difference between creations from nature and human inventions is that nature creates without any need for resources whereas humans invent using means and materials created by nature.

The lights of unseen knowledge have been present in nature since the very first day of existence. An inventor can invent by contemplating on these lights. The true knowledge tells us that the universe and everything within it is made up of a network of divine lights.

ligence bestowed by God– hence, the fax machine was invented.

What is a fax machine? It is a machine that accepts scanned waves from the environment and transfers them onto paper. Computers and televisions are similar inventions. In the Milky Way, the system of waves is present. Sound waves hit our ear drums when we converse with one another. Two people cannot hear each other without sound waves and ears (receivers). God has said that He is the light of the heavens and the earth – His divine light is present in everything that exists within the heavens and the earth.

Matter is also a form of light. Everything that exists within the heavens and the earth are just different forms of light. Humans and all other creations are just physical manifestations of lights. The movement of our visible existence known as the 'body' is dependent on these lights. These lights are commonly known as the soul or *Rooh*. Whenever a soul enters a realm, it dons a body or a shell to demonstrate its knowledge and capabilities.

The physical body is made of particles of sand, which has a vacuous nature. The lights of the soul are absorbed into these pores to maintain the physical body's functions. As soon as the lights leave the porous body, the particles of sand scatter. Our senses are actually formed from the lights of our souls. The soul uses the sand particles as a screen or dress to demonstrate or display its lights. When the soul has finished its work or demonstration, it stops displaying itself on Earth; also known as death.

God, the Lord of all Realms, thought of creating the universe. He planned and thought of it and it was created. This means that the universe is simply a manifestation of a thought or will to create the universe. There are countless species in the universe and each of these species has innumerable members. There are two types of consciousness that work within every being. One is the individual conscious and the other is the universal conscious. The mind receives information directly from the *kul zaat* (The Complete Being), and at the same time, at the universal levels, send individual information to the *kul zaat*. This process is called the transfer of thought. This dual process of information transfer takes place in every being in the universe and keeps the entire universe in motion.

The lights of thought emanate from every being and every mind in the universe, but are also absorbed into the mind. Through this process, thoughts transfer across everyone and everything. This is the reason that we are aware of the creations that exist in the heavens whilst living on earth. The stronger one's receiver is, the more thoughts and information they receive.

Prophet Moses (PBUH)

If one enters into this light, they learn the reality of knowledge and can devise new inventions. It requires a considerable amount of time to learn and know this knowledge as the conscious mind is trained in fictional or illusionary senses.

The snakes and pythons that were created using magic vanished, but the staff of Prophet Moses (PBUH) remained intact. This shows that if one's thinking pattern is based on illusions, their power is short lived and perishes, whereas if their thinking pattern is based on the truth, then there can be no change in it.

When a guru (or spiritual mentor) teaches magic to their student, they are actually transferring their thinking pattern to the disciple. The student becomes a representative by adopting their guru's destructive thinking pattern. In this case, the association with the truth, or reality, is lost. If a student acquires the knowledge of the Prophetic thinking pattern, they become aware of the Reality.

There is no example in history of one with a thinking pattern based on reality (the Prophetic thinking pattern) being inclined towards magic. On the other hand, there are thousands of examples of expert magicians who accepted the divinity of Islam, becoming the followers of the Truth. "Allah is the Light of the heavens and the earth. The example of His light is that of a niche, in which there is a lamp; the lamp is in a glass – the glass looks like a brilliant star – it is lit by the oil of a blessed tree, the olive, which is neither eastern, nor western. Its oil is about to emit light even though the fire has not touched it – light upon light. Allah guides to His light whomsoever He wills; Allah describes examples for the people, and Allah knows everything well." (Quran, 24:35)

Due to the advancements in science, it has now become much easier to understand spiritual concepts of the unseen. For example, God gave Moses (PBUH) the Torah, which was written on stone slabs. If we look at stores across the world, cash machines collect money. Packaged items with bar codes are scanned by red light and the price appears on the machine. These waves can also be used to transfer words on to paper through the use of a fax machine. This invention is created by God, where God has inspired the inventor.

Just like the fax machine can inscribe words on to paper through the use of waves, it is not difficult for God to inscribe commands on stone slabs. Humans cannot directly see the universe and the galaxies within it, but the formula of waves displayed itself in the mind of researchers when they used their intel-

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

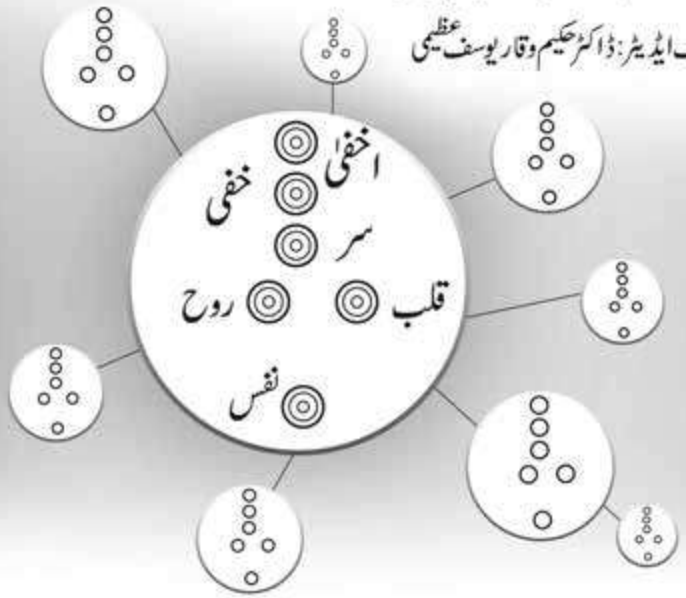

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

Glaucoma:

This is a disease that affects the nerves that carry the signal from the back of the eye to the brain that help us perceive light. It usually happens when there is a build-up of fluid in the front part of the eye causing an increase in eye pressure. The increase in eye pressure damages the nerve which then affects vision. It is the leading cause of blindness for people over 60 years old. However, blindness can be prevented in these patients if appropriate treatment is given to reduce the pressure inside the eye.

Diabetic Eye Disease:

In patients with diabetes, if the blood glucose levels are not well controlled, the eye can also be affected. The increased blood glucose levels in these patients damage the blood vessels inside the eye. These damaged blood vessels affect the function of the back of the eye or the retina. Since this part of the eye is responsible for receiving light signals, it affects vision in these patients. If diabetes is not controlled well, it may lead to irreversible blindness.

Thus, several parts of the eye must work together and in perfect coordination with each other to enable us to see objects with clarity. If any one of these parts is not fully functional, our vision gets impaired.

One Day a scholar came to the court of Emperor Akbar and challenged Birbal to answer his questions and thus prove that he was as clever as people said he was.

He asked Birbal, "Would you prefer to answer a hundred easy questions or just a single difficult one?"

Both the emperor and Birbal had had a difficult day and were impatient to leave. "Ask me one difficult question," said Birbal.

"Well, then, tell me," said the man, "which came first into the world, the chicken or the egg?"

"The chicken," replied Birbal.

"How do you know?" asked the scholar, a note of triumph in his voice.

"We had agreed you would ask only one question and you have already asked it." said Birbal and he and the emperor walked away leaving the scholar gaping.

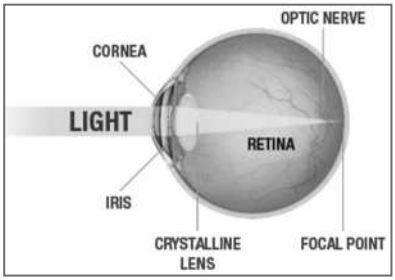

Refractive Errors:

Refractive errors are common eye conditions in which light does not focus properly on the retina, thereby causing blurry vision. They are corrected with eye glasses, contact lenses or surgery. The number of people affected globally has been estimated at one to two billion.

Short-Sightedness:

It is also known as myopia. In this condition, light from a distant object forms an image in front of the retina, instead of focusing on the retina. This condition may be caused by an eye ball that is too long or when the cornea or lens is too strong. Patients with this condition can see objects that are close to them clearly but distant objects appear blurred. Short sightedness is estimated to effect 1.5 billion people.

Long-Sightedness:

It is also known as hyperopia. In this condition, light from a nearby object forms an image that is focused behind the retina instead of focusing on the retina. This may be caused due to an eye ball that is too short or due to a weak lens. Patients with this condition can see objects that are distant but nearby objects appear blurred.

Astigmatism:

This condition is caused by an irregularly shaped cornea, causing distorted vision. In Europe and Asia it affects 30-40% adults.

All these conditions can be fixed by prescription glasses or different types of contact lenses, which help in focusing light properly in the eyes. Laser eye surgery may also help in some cases.

Cataract:

The lens of the eye is a structure that helps focus light. Sometimes this structure becomes cloudy, thereby not allowing all light to pass through and therefore prevents the eye from focusing light correctly. This leads to reduced and hazy vision. Cataracts may develop as part of normal aging, in individuals with diabetes and in cases where there may be an injury to the eye. This condition is very common in older people and is one of the most common reasons for preventable blindness. The surgical treatment for this condition is to remove the cloudy lens from inside the eye and replace it with an artificial lens to restore clear vision. This procedure is done commonly and does not require an overnight stay at the hospital.

several diseases of the eye and recommended treatments for them. Many of the terms he first described are still in use today.

Abu Bakr Muhammad Ibn Zakariya al-Razi, also from Baghdad, was known in Europe by the title of the Arab Galen. He was the first one to state that the retina reacts to light and the first one to describe the reflex action of the pupil. He wrote several highly acclaimed books that described innovative surgical procedures for common eye diseases. These books were translated into several languages over the next few centuries. These books included: Kitab al-Mansuri, Kaifiyat al-absar, kitab fee hait-al ayn, and Kitab fee elaj al-ayn bil-hadid.

Abu Mansur al-Hassan al-Qumri lived in Khorasan, Iran He explained the reasons for weak eye sight in his book titled Kitab al-Ghina wa-al Muna, which is currently preserved in NLH, USA.

Abul Qasim al-Zahrawi, was an Arab Muslim physician and surgeon that lived in Al-Andalus, modern day Spain and Portugal. He is considered as the greatest surgeon from the Islamic world and has been described as the father of surgery. His discoveries had enormous impact throughout the world, and some of his discoveries are still applied in medicine today. His extensive work on surgery also included surgical operations on the eye. He was the first one to give diagrams of surgical instruments.

More recently, our knowledge in this field has advanced significantly. These scientific advances have allowed us to understand the structure and function of the eye in great detail. This has been made possible due to the availability of many resources such as advanced imaging devices and microscopes that help us study the human eye. We now know that the eye consists of several small working parts, each with their own unique function.

It is now understood that the eye works much like a digital camera. Light is primarily focused by the cornea, which is the clear front part of the eye; this part acts like a camera lens. The light subsequently passes through a hole in the centre of the eye called the pupil, and moves through the lens. The lens is a crystalline structure that helps the eye focus the light; like an autofocus camera lens. The light that has been focused by the cornea and the lens finally reaches a paper-thin layer at the back of the eye called the retina. This part of the eye acts like an image sensor of a digital camera. It converts the light signal into electric signals, that are then transmitted by the nerves inside the eye to the brain, thus enabling us to perceive light.

Some of the common eye diseases and their conditions are:

The Eye

The human eye has been the subject of great interest since the beginning of time. It has fascinated both philosophers and physicians alike. It has been called the most complex organ in the body and is often termed as the window to the soul.

Reports from philosophers and physicians regarding the function of the eye are available from as early as 300 B.C. Plato, considered to be the most important figure in the development of philosophy, suggested that the eye released rays, enabling it to see objects. Aristotle, a student of Plato, and a famous Greek philosopher, later challenged this idea and suggested that eyes may actually in fact receive light rays rather than releasing them outward. Subsequently, in the second century A.D. Galen, a prominent Greek physician, defined many of the currently known anatomical parts of the eye and described their functions.

Contributions to the Field of Ophthalmology by Muslims:

The eye was also a subject of special interest in Islamic medicine and philosophy. From 800-1300 CE the world of Islam produced around 60 eye specialists. Meanwhile in Europe, eye specialists were unheard of before the 12th century. Between the 9th and 14th centuries, several Islamic scholars published extensive literature on the function of the human eye. The extensive work done by these Islamic scholars was compiled, and over the course of the next several centuries, advanced by European medical practitioners.

Ali Ibn Isa, born in Baghdad, was the most famous ophthalmologist of Islam. His famous book Tazkiratul-Kahhalîn, is considered the best and most complete book on eye diseases. It was translated by Julius Hirschberg into German and into English by Casey Wood in the 20th century. This book was widely referred to by later ophthalmologists.

Ibn al-Haytham, was an Arab Muslim scientist, mathematician, astronomer and philosopher. He made significant contributions to the field of optics and visual perception. He is considered as the father of optics. He was the first scientist to explain that all vision was made possible because of refraction of light rays.

Hunyan Ibn Ishaq, from Baghdad was the first one to discuss the anatomy of the eye in a book called 'Kitab al-ashr maqalat fil Ayn', which means the ten-written works on the Eye. He provided detailed explanations of the physiology of the eye. His detailed work reached European scholars, who later provided diagrams of the eye described by him. He wrote of

kept my copper coins are in the wall of the northern side of the kingdom and I would have my 600 copper coins and northern part of the kingdom. ” the peasant innocently replied. The King smiled, the entire court was in splits of laughter. The man was not willing to give up his 600 copper coins even when he was offered a part of the kingdom.

The king thought over the situation for a few moments and then decided to give him an assignment. The soldiers were ordered not the stop the man from climbing the fortress wall from then on. The peasant would from now trace the gaps in between the rocks of the fortress walls and inform the palace about them. If he could trace gaps in the walls that could easily hide a bag of 600 copper coins, he would be given a good reward.

Thus the peasant earned his living and the king strengthened his fortress from the cracks that could prove dangerous for the safety of his kingdom.

Moral of the story is, you can be offered heaven in return for your personal hell but only if you are ready to give it up, you can experience it. If one continues to insist that they would like to hold on to their current situation no matter what the consequence they have to bear, then transformation would be next to impossible in their lives.

Most often than not it is our insistence that we would like to have everything our way, we are not able to embrace and ride the raft of kindness thrown at us by God in our tough times. We insist on sitting on the brinks of hopelessness instead of accepting that the particular situation is not working in our favor and the best in the given circumstances is to let go. But our ego, our attachment, our greed, our stubbornness, becomes our enemy and stops us from opting to change and moving forward in life.

However, the benevolent God is so merciful that despite our insistence to hang on to our miseries, He sends in saints and masters in our lives to guide us. It is his love that never gives up on us even when we give up on ourselves.

The Masters that are sent forth in our lives, then use our weakness and harness it as our strengths until we are ready to let go of it completely. They convert our weakness as our lessons till we embrace change and awareness. Through our miserable life that is as black as a charcoal, our beloved Masters polish, cleanse and get out the diamond within us. For once let us sit back and visualize ourselves climbing the steep, dangerous walls of the fortress that can be fatal and yet we go on for the greed of 600 copper coins. What are these copper coins in our lives? Let us introspect. Are we chasing after money? Success? Love? Attachment? Acceptance? Belief? Ego Battles? Are we risking all that we are for this chase? Have we been offered another direction time and again by God? Have we been refusing His kind offer? Can we now finally let go of our insistence to hold on to our bag of coins and try a new perspective of life?

given 500 coins of copper.

He then warned the peasant, and told him to never ever try to climb the fortress walls again as it could be dangerous for him and could lead to fatal accidents. The peasant happily received the coins, agreed to never climb the wall again and left the King's court thanking everyone profusely for their kindness.

However, the next day yet again when the King was monitoring his fortress, it was reported to him by the guards that the peasant was found climbing the wall of the fortress and that they had arrested him and if it was permitted he would be presented before the king. The king was now surprised at the turn of events, he summoned the peasant one more time before him and asked him very sternly again why he was putting his life to risk by climbing the walls of the fortress?

The peasant replied fearfully "Dear King, please forgive me. I am now more worried than I was before. Earlier I had only 100 coins and as of yesterday you have given me 500 more coins and I wanted to make sure they are all safe and so I was climbing even more higher up in the walls to safe guard them".

The king smiled, he was a compassionate and very clever ruler, he instantly recognized the greed in the peasant and decided to check him further. "What if I give you a 1000 gold not copper coins. Would you then stop climbing the wall and risking your life?" he asked.

The peasant replied innocently with a gleam in his eyes, "Oh! Thank you. But I will still have to climb the walls as I have left my 600 copper coins in the wall and I will bring them down and then I will have 1000 gold coins and 600 copper coins."

The king was really enjoying this fascinating turn of events and he kept luring the peasant with more and more gifts and the man kept adding his 600 copper coins to everything that was offered and said he would still climb the walls to get his coins and would add them to the gifts given by the king.

Really tired, the king finally asked, "What if I would give you a part of my kingdom, which part of this kingdom would you choose to keep for yourself, the southern,northern, western or eastern part?"

The peasant replied with a smile "I would choose the northern part of the kingdom, dear king." The king was curious and exclaimed, "The northern part? But that part of the kingdom is all rocky and steep and has no scope of improvement at all, why would you not choose the southern part, which has rich soil and you can easily harvest wonderful crops? Or choose the western part which has rich deposits of mineral and that could make you instantly rich or the eastern part that has rich forests and you could flourish a lot as a trader?"

"Oh the wall where I have

Gold Coins

The benevolent God is so merciful that despite our insistence to hang on to our miseries, He sends in saints and masters in our lives to guide us. It is his love that never gives up on us even when we give up on ourselves.

There was once a poor man who earned his living through severe hardship. He had nothing but one copper coin that he would earn every day for himself as his prized saving and treasure. In order to keep it safe from theft and loss, every single day after work, he would trek up the high mountains and climb the extremely steep walls of a fortress and hide the coin he earned, inside a carefully hidden gap in between the blocks of rock in the wall.

One day the king who ruled the area, was standing up on the tallest tower of his fortress, inspecting things around him, and saw the man clinging on to the steep and fiercely dangerous walls of the fortress. He was greatly astonished that the walls despite being so dangerously steep, attracted trespassers and he wondered that if a common peasant could dare to climb the walls, all the way to that height, then what was the guarantee of the kingdom's safety? Surely a trained soldier would be easily able to cross over and attack the kingdom, he thought. He immediately summoned the guards to have the peasant brought before his presence.

The guards immediately acted upon the orders of their king and the peasant was brought before the court of the king. The peasant not knowing what was in store for him for having dared to scale up the walls of the fortress, stood shivering in front of the king and the entire court of intellects and ministers.

The king in a very authoritative tone asked him why he was climbing the walls of the fortress?

The peasant still shivering answered in a very feeble tone, "I was safe keeping the entire earnings of my life time. It is a bag of copper coins and I have hidden it in the cracks in between the blocks of rocks in the wall". The timid reply of the peasant made the king very curious to explore and verify the truth in the peasant's claims.

The king immediately asked the soldiers to check for the bag of coins in the wall of the fortress in order to validate the peasant's claim. The soldiers instantly set out to execute the order and began scaling the part of the wall of the fortress where the peasant claimed to have hidden his saving and treasure – the bag of copper coins. Shortly and sure enough there it was!

It was a ragged and very old bag of soiled cloth and within it they found a total of 100 coins. The king having ensured that the peasant was speaking the truth, and witnessing the meagre saving he had made in his life time, took pity on him and ordered his treasurer that the peasant was to be

lines. This shawl was placed in front of Hasan (PBUH) and Hussain (PBUH). Hazrat Hussain (PBUH) picked it up and said that it was his grandfather's, the messenger of God, Muhammad (PBUH). He then gave it to me. With thoughts of deep respect, I placed it on my head instead of wearing it and praised the Lord in gratitude for this blessing and I woke up." (Fuyuuz Al-Haramain)

The honourable Imam Hussain (PBUH) said, "For a person who has pure intentions, death is not a cause for any shame or humiliation. I will follow the path of righteousness without any fear of death and life."

A translation of the quatrain from Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) is as follows:

Deliberate through the incidence of Karbla
Apprehended entirely concealed in perpetuity
Miseries fall upon from heavens
Territory might dwell in atmosphere out there

"In this quatrain, Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has divided this world into two, based on good and bad or reward and punishment. The first is the world of Karbala that appears to have disappeared but actually remains eternal, and the second world appears to be living, however it is always in pain and disappearing. Karbala points to the great fact that the path of eternal life is found after going through the stages of devotional sacrifice for the Truth with firm courage. The nation or individual that does not travel on these stages, or due to fear of the end thinks that the temporary world of pleasure is everlasting, is entangled in self-delusion and chooses to abscond from the path; they will not reach the stage of eternal life. The more the nation strays from the assessment of Karbala, the closer it is to devastation and destruction. The secret of eternal life becomes evident after contemplating over the context, events and incidents of Karbala. Whoever finds this secret, finds the path to eternal life."

Sayings of Hazrat Imam Hussain (PBUH)

- Success is for those who forgive even when they are strong.
- A friend protects from evil and an enemy will tempt you to do evil.
- Hastiness is ignorance.
- If you want to see heaven in this world, then sleep on the lap of your mother.
- Piety is the best provision for this world and the hereafter.
- A personality becomes enlightened from patience.
- The intense desire of something is not only bad but harmful too.
- The longer you take to rise against oppression, the more you will have to sacrifice.
- How can those things that are dependent on you for their survival be a reason for your existence?

God removes sorrow from the one who removes sorrow from others.

ii

Hazrat Abdullah Bin Masood (PBUH) said,"The honourable grandsons used to climb on the back of the messenger of God when he prostrated in prayer. After prayer, Prophet Muhammad (PBUH) used to hold them and say, 'Whoever loves me, must love Hasan (PBUH) and Hussain (PBUH).'" (Musnad Ahmad)

It has been narrated by *Um-mul-Momineen* Hazrat Ayesha (RA),

"One morning, Prophet Muhammad (PBUH) came over. He was wearing a black woollen shawl. After a short while, Hazrat Hasan (PBUH) came over and Prophet Muhammad (PBUH) covered him with his shawl. After a short while Hazrat Hussain (PBUH) came over. The Prophet (PBUH) also covered him. Bibi Fatima (RA) came over later and the Prophet (PBUH) also covered her with shawl. Later on *Ameer-ul-Momineen* Hazrat Ali (PBUH) came over and Prophet Muhammad (PBUH) also covered him with his shawl and said, 'O' household, God approves for you to be kept away from uncleanliness and to keep you pure.'" (Musnad Ahmad)

Hazrat Imam Hussain (PBUH) was of medium height, with a broad forehead and wide chest. His shoulders and collar bone were wide and deep, with strong bones, large hands and feet, a beautiful face and a deep and rhythmic voice.

According to Hazrat Abu Huraira (RA), Hazrat Hussain's (PBUH) body was very similar to the holy body of Prophet Muhammad (PBUH). Imam Hussain (PBUH) was highly virtuous and wise. Once when travelling he saw some people eating pieces of bread. They invited him, "O grandson of the Prophet (PBUH), please join us."

He got off his horse and ate with them. Afterwards Imam Hussain (PBUH) said, "You invited me and I accepted. Now, I invite you to please come to my home." As he reached his home, he said to his wife, "Whatever we have in the home, bring it for our guests."

Hazrat Anas Bin Malik (RA) tells the story of a day where he sat with Hazrat Imam Hussain (PBUH) when a servant presented him with a bunch of flowers. Hazrat Imam Hussain (PBUH) breathed in the scent of the flowers and said to the servant, "For the sake of God, I set you free."

Hazrat Ans (RA) asked, "Why did you set her free for a bunch of flowers?"

The honourable Hussain (PBUH) answered, "It is an order of God to return a similar or even better gift to the one who presents you with a gift. There was no better gift than freedom for her."

The respectable Imam Zainul Aabdeen (RA) said, "My respected father, by himself, used to take

Hazrat Imam Hussain (PBUH)

The secret of eternal life becomes evident after contemplating over the context, events and incidents of Karbala. Whoever finds this secret, finds the path to eternal life.

The messenger of God, Prophet Muhammad (PBUH) was going to a banquet. On the way, he saw the little Hussain (PBUH) playing. Prophet Muhammad (PBUH) moved towards him and stretched his arms out to hold him. Hazrat Hussain (PBUH) started running back and forth and Prophet Muhammad (PBUH) played along until Hazrat Hussain (PBUH) embraced him. Prophet Muhammad (PBUH) kissed him and said, "Hussain is from me and I am from Hussain. May God love those who love Hussain." (Tirmizi, Ibn Maajah, Musnad Ahmad).

The noble Imam Hussain (PBUH) was born on the 4th Hijri, in the month of Shaaban. Prophet Muhammad (PBUH) gave *azaan* (call for prayer) in his right ear, and *iqamah* (call for the start of the prayer) in his left. He prayed for blessings on the child after giving him *tehnik* (chewing a date and then feeding it to a new born). Prophet Muhammad (PBUH) gave Hazrat Hussain (PBUH) to his mother Hazrat Fatima Tuz Zahra (RA) after applying saffron fragrance on his head. On Hazrat Hussain's (PBUH) seventh day, Prophet Muhammad (PBUH) shaved the baby's head and gave silver as charity, equal to the weight of the hair shaved. On that day, Prophet Muhammad (PBUH) also named him and sacrificed two lambs in *aqiqa* (customary when one has a child).

Hazrat Usama Bin Zaid (RA) said, "One night, I went to Prophet Muhammad's (PBUH) home and knocked on the door. Prophet Muhammad (PBUH) came out to greet me and I saw someone in his arms but could not see who it was. After discussing my need, I asked, 'Who is in your arms?' Prophet Muhammad (PBUH) removed the shawl from the baby. I saw the gracious Hasan (PBUH) in one arm, and the noble Hussain (PBUH) in the other. Prophet Muhammad said, 'Both are the heart of me and Fatima (RA).'"

Hazrat Anas Bin Malik (RA) asked the messenger of God (PBUH) whom he loved the most in his family. Prophet Muhammad (PBUH) replied, "Hasan (PBUH) and Hussain (PBUH)." Prophet Muhammad (PBUH) used to ask Bibi Fatima (RA) to send his grandsons to him and he would embrace and show his affection to them on their arrival.

A person who is always ready to sacrifice, never falls in satanic trap. He is always at firm belief and steadfast on it. He observes the reflection of God in every object.

A firm belief is an outcome of observation. Actions are performed in either state, whether they are during sleep or awakening. Any observation in the domain of unconscious is an observation of *ghaib* (the concealed world from conscious observation). This very observation is indeed the real gist of observation.

"And those well-grounded in knowledge say: We believe therein; all is from our Lord." (Quran, 3:7)

God told Hazrat Abraham (PBUH) and Hazrat Ishmael (PBUH) to construct Bait Allah for preaching. Both followed God's will. When walls of Bait Allah were stretched higher than a man's height, a stone was used to support to raise walls higher. Hazrat Abraham (PBUH) kept on using this supporting stone to raise height of walls.

"And remember when We pointed out for Abraham the place of the House (of God) saying, Do not associate anything with Me as My partner, and purify My House for those who make *tawaf* (circumambulation around it), and those who perform *qiyam* (standing up in worship) and those who perform *ruku'* (bowing down) and *sujud* (prostration),and announce among people about (the obligation of) Hajj, so that they should come to you on foot, and on every camel turned lean, traveling through every distant hilly pathway, so that they witness benefits for them, and recite God's name in specified days, over the provision He gave them from the cattle. So, eat thereof and feed the distressed, the poor. Then, they must remove their dirt, and fulfill their vows, and make *tawaf* of the Ancient House." (Quran, 22: 26-29)

God said, "God has made the Ka'bah, the Sacred House, a source of stability for people." (Quran, 5: 97)

May God bless each and every Muslim to visit Makkah to perform Hajj, circle around Bait Allah and whole heartedly make the sanctity of Ka'bah the objective of life. Pray for yourself, your family, and whole Muslim community. May God stead us fast and bless us opportunity to visit Bait Allah, meet His beloved prophet (PBUH). Ameen

Heartiest felicitation to all pilgrims of Hajj, women and men. Ameen

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ

واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد

Allah Hafiz

ii left them in barren land with some palm dates and water. Bibi Hagar (RA) worried about themselves, and asked, 'You are leaving us for whom?'

He said, 'Before God!'
Bibi Hagar (RA) said, 'Is it will of God?'
Hazrat Abraham (PBUH) said 'Yes'
Bibi Hagar (RA) said, 'Indeed God is our caretaker'

There was no trace of water in the desert at any nearby place. Bibi Hagar (RA) approached a closest mound in anticipation, but there was nothing but sand. At the same time, she was worried about her left alone child. When she returned to him, he was crying with thirst and hunger. Despite her weakness, she kept on searching for any trace of water or caravan, but only whirling sand. Bibi Hagar (RA) tried her level best between the mounds, while her son Hazrat Ishmael (PBUH) was pattering sand and crying. Bibi Hagar (RA) kept on searching seven times between the two mounds, and she found a water fountain appear before the heels of her son.

The fountain of Zam Zam is flowing since centuries. During the ceremony of Hajj and Umra, pilgrims drink from this fountain and also carry it to their home countries. People visit pilgrims from Makkah and drink this water with a grace and bow with eyes.

Hazrat Abraham (PBUH) dreamed continuously three nights, that he is slaughtering his beloved son for God. Hazrat Ishmael (PBUH) was the only son at that time. Hazrat Abraham (PBUH) told his dream to his obedient son. The steadfast son told him to fulfill God's will.

"So when both of them submitted themselves to God's will, and he laid him on his forehead to slaughter him and then We called out to him: O Abraham, you did make the dream come true. This is how We reward those who are good in their deeds. This was indeed a trial that clearly demonstrated their obedience and We ransomed him with a great sacrifice." (Quran, 37:103-107)

God said, "Surely, Abraham was an *Ummah* (a whole community in himself), devoted to God, a man of pure faith; and he was not among the *Mushriks* (i.e. those who associate partners with God). He was grateful to His bounties. He (God) chose him and led him to the straight path. We bestowed good upon him in this world; and in the Hereafter, he is among the righteous. Then, We revealed to you: Follow the way of Abraham,the upright, and he was not among the Mushriks." (Quran, 16: 120-123)

Obedience to fulfill God's will are among the traits of blessed people. The impacts of such traits are followed along the generations. God honours those blessed people. The acts of Bibi Hagar (RA), firm belief in God, staying in desert, striving hard in search of water between mounds became so dear to God that God ran a fountain in a barren land. These acts are credible as essential for all pilgrims who perform Hajj.

Message of the Day

Life is an information at one fold and reflection on the other. Though conscious is known to dominate during awakening on unconscious, but activities of conscious cease to exist without activity of unconscious. Unconscious is the source of information that is an information which contains all acts of life whether to sleep, awake or any physical activity.

Conscious activities cease to appear while asleep, leading a thought or acts to be commenced with speed of thought. In state of sleep, one watches himself circle around Bait Allah (the house of God) and reciting:

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک

ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک

"I am present before you, O God I am present before you. You are unprecedented, I am present. Indeed all appraisal is for You, You own all blessings, Yow own all supremacy. You are unprecedented"

A voyage to Makkah and Medina takes several days, but perception of days and nights disappears while dreaming. After awakening, other people get impressed by the freshness of face, glorified, full of happiness. A man with a firm belief, narrates his experience at Bait Allah and people express admiration with rejoice.

The state of unconscious journey is experienced during sleep. Due to lack of awareness, people cannot correlate the sequence of events and eventually do not comprehend what happened. For instance, when a person wakes up while nightmare, usually we notice expressions of fear and shiver on him. Expressions of nightmare in the state of unconscious are calmed down with conscious condolence. Fear of nightmare reduces with other people's counselling, drinking water and relieving mind from the fearful imaginations.

There are two thought patterns—obedience and disobedience. Obedience is to maintain the values of God by virtues of God. It nourishes balance in life. While disobedience disturbs the balance. Earth becomes heaven, when people express love and affection for the sake of sacrifice.

Love is not only an act, but a life pattern. Love is attributed to sacrifice, respect, forgiving, helping other, protecting other, virtues of goodness, peace and serenity. When a man sacrifices, love becomes a life and vice versa.

Abul Anbiya (father of all prophets), Hazrat Abraham (PBUH) inspired to leave his wife Bibi Hagar (RA) and infant child Hazrat Ishmael (PBUH) to Makkah. He left them at the valley of Umm Al Qura. Quran mentioned this valley as 'Vadi Ghair Ze Zar'a' (a barren land). Hazrat Abraham (PBUH)

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Hazrat Imam Hussain (PBUH)	Muhammad Zeeshan	169
Gold Coins	Bibi Anuradha (UAE)	165
The Eye	Dr. Ali Sadiq (USA)	162
Prophet Moses (PBUH)	Extracted	157
The Death and Birth of Oceans	Dr. Naeem Zafar (UAE)	152
The Autobiography of the Devil (Iblees)	Nasser Abbas (UK)	148

"There is nothing outside of yourself,
look within.
Everything you want is there."

- Maulana Jalaluddin Rumi (RA)

Vol 5 Issue 8 | September 2017 | Dhul Hijjah — 1438AH
Muharram — 1439AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.60/- Per issue. Annual subscription Rs.820/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم و ملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

روغن پرسیاؤشان

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشو ونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

ELEVATE YOUR STYLE WITH COROLLA ALTIS Grande 1.8L

TOYOTA

facebook.com/Toyota.Hyderababd

TOYOTA HYDERABAD MOTORS

A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad, UAN #: (022) 111 555 121 , Fax: (022) 3885126

email: toyota.hyd@cyber.net.pk, web: www.toyota-hyderabad.com